32

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

www.tanzeem.org

تنظیم اسلامی کا ترجمان

مسلسل اشاعت کا
35واں سال

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

11 تا 17 ربیع الاوّل 1448ھ / 25 تا 31 اگست 2026ء

ربیع الاوّل اور ہم

ربیع الاوّل اسلامی سال کا وہ بابرکت مہینہ ہے، جس میں محسنِ انسانیت، نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور اسی ماہ میں آپ کا وصال بھی ہوا۔ اس نسبت سے یہ مہینہ اُمتِ مسلمہ کے لیے تجدیدِ محبت، سیرتِ طیبہ پر غور کرنے اور آپ کی تعلیمات کو اپنانے کا خاص پیغام لے کر آتا ہے۔

تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ تو مسلمان کے لیے ہر مہینہ ہی باعث برکت ہے، یہ مسلمان کی شان نہیں اور اسلام کا طریقہ نہیں کہ ایک مہینہ اعمال ہوں، پھر پورا سال پامال ہو یا ایک مہینہ عقیدت ومحبت ہو پھر پورا سال غفلت ہو، لہٰذا ربیع الاوّل ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ بحیثیت مسلمان زندگی کے ہر موڑ، ہر لمحے ایسے رہو جیسے اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتے ہیں۔

لہٰذا اس ماہ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم صرف ظاہری تقریبات تک محدود نہ رہیں بلکہ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنائیں۔ اپنے اخلاق، معاملات اور روزمرہ کے معمولات کو سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنے کا عہد کریں۔ انتہائی حکمت کے ساتھ ایسی رسومات سے معاشرے کو صاف کیا جائے جو دین کے اصل حلیے میں بگاڑ پیدا کریں، دین کے نام پر خلافِ اسلام کام کو وسعت دینا بربادی کا سامان ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکرِ خیر انتہائی برکت والا ہے لیکن آپ ﷺ کی اس متواتر سنتِ مطہرہ کو اپنانا بھی ہماری دینی ذمہ داری ہے جس پر آپؐ نے مسلسل 23 سال تک عمل کر کے اُمت کے لیے تا قیامِ قیامت نشانِ منزل چھوڑا یعنی دین کو انفرادی سطح پر روزمرہ کا معمول بنانے کے ساتھ اس کی دعوت کو عام کرنا اور اجتماعی سطح پر اس کے قیام اور نفاذ کی جدوجہد کرنا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں صحیح راستے کی سمجھ عطا فرمائیں اور نبی پاک ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

فرید اللہ مروت
رکن مجلس ادارت

مسجدِ اقصیٰ کی حرمت اور فلسطینی مسلمانوں کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیں!

اس شمارے میں

حُبِ رسول ﷺ کے تقاضے اور بیداریٔ اُمّت

راہِ نجات اور اقامتِ دین کی جدوجہد

قرآن کے ذریعے تذکیر کیجیے!

سیرتِ رسول ﷺ سے دوری

داعی و مبلغ اسلام کی دس صفات

روح کی حقیقی غذا؟

اللہ تعالیٰ تمام تعریف، شکر اور قدرت کا مالکِ حقیقی ہے

سُوْرَۃُ لُقْمٰن — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیات: 26،25

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶

آیت:۲۵ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!‘‘

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵﴾ ’’آپؐ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں‘ لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔‘‘

آیت:۲۶ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔‘‘

لفظ اللہ کے ساتھ یہاں ’’لامِ تملیک‘‘ آیا ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶﴾ ’’یقیناً اللہ ہی غنی ہے‘ بہت خوبیوں والا۔‘‘

وہ بے نیاز ہے‘ اُسے کوئی احتیاج نہیں‘ وہ خود اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

درس حدیث

’’......تب اللہ تمہاری دُعائیں قبول نہیں کرے گا‘‘

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ)) (رواہ الترمذی)

حضرت حذیفہ ؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ’’مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ (اے مسلمانو!) تم لازماً حکم دو گے معروف کا اور لازماً روکو گے منکر سے۔ (اگر تم نے ایسا نہ کیا) تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے لازماً عذاب نازل کرے گا اور پھر تم اس کو پکارو گے لیکن وہ تمہاری دعائیں قبول نہیں کرے گا۔‘‘

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جب تک لوگ انجام دیتے رہیں گے، اُس وقت تک ان پر عمومی عذاب نہیں آئے گا، اور جب لوگ اس فریضہ کو چھوڑ بیٹھیں گے اُس وقت رب العالمین کا اُن پر ایسا عذاب آئے گا کہ اس کے بعد پھر ان کی دعائیں نہیں سنی جائیں گی۔ شارحین حدیث کے مطابق اگر ایک محدود علاقہ کے لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والے کام سے کلی طور پر رک جائیں تو صرف اُن پر بھی عام عذاب آسکتا ہے۔ واللہ اعلم!

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
11 تا 17 ربیع الاول 1448ھ جلد 35
25 تا 31 اگست 2026ء شمارہ 32
مدیر مسئول: شجاع الدین شیخ
مدیر اعزازی: حافظ عاکف سعید
مدیر: رضاء الحق

مجلس ادارت: • فرید اللہ مروت • محمد رفیق چودھری • وسیم احمد باجوہ • خالد نجیب خان

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: سیکرٹری دین حق ٹرسٹ لاہور
مطبع: آر آر پرنٹرز، سگیاں روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چونگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 30 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک......1,200 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (32,000 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (24,000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
رضاء الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُبِ رسول ﷺ کے تقاضے اور بیداریٔ اُمّت

12 ربیع الاول ہمارے ملک سمیت بیشتر مسلم ممالک میں میلاد النبی ﷺ کے یوم کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر ایک بنیادی حقیقت ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال 12 ربیع الاول کو ہوا، جبکہ آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں اہل علم کے ہاں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ ولادت کے قطعی تعین کے معاملے میں احتیاط ہی مناسب طرزِ عمل ہے۔ تاہم اس حقیقت میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے لیے اُس کے باپ، اُس کے بیٹے اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔'' (متفق علیہ)

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حُبِ رسول ﷺ کی حقیقت کیا ہے اور اس کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ قرآن مجید نے ایمان کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کو قرار دیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 165 میں ارشاد ہے: (ترجمہ) ''اور جو لوگ واقعتاً صاحب ایمان ہوتے ہیں، اُن کی شدید ترین محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔'' گویا حقیقی ایمان محض زبانی دعوے کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو زندگی کا مرکز بنانے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بعد انسانوں میں سب سے بڑھ کر جس ہستی سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے، وہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔ جب تک رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سب سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں، ایمان کا دعویٰ اپنے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انسانیت کے لیے بہترین نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور قرآن نے آپ ﷺ کے اس مقام کو سورۃ الاحزاب کی آیت 21 میں یوں واضح کیا: (ترجمہ) ''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ (کے اسوہ میں) بہترین نمونہ ہے۔'' چنانچہ محبتِ رسول ﷺ کا سب سے بڑا عملی تقاضا اتباعِ رسول ﷺ ہے۔ محبت اگر انسان کے کردار، معاملات، اخلاق اور طرزِ زندگی میں تبدیلی پیدا نہ کرے تو وہ محض ایک جذباتی دعویٰ بن کر رہ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے اظہار کا ایک اہم ذریعہ کثرت سے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب کی آیت 56 میں فرماتا ہے: (ترجمہ) ''یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُن ﷺ پر درود و سلام بھیجا کرو۔'' لیکن کیا صرف درود و سلام پڑھ لینے سے محبتِ رسول ﷺ کے تمام تقاضے پورے ہو جاتے ہیں؟ درود و سلام محبت کا عظیم اظہار ہے، مگر اس محبت کی تکمیل اتباعِ رسول ﷺ، آپ ﷺ کی سنت سے وابستگی، آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے وفاداری اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی میں اختیار کرنے سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس محبت کی سب سے روشن مثال ہیں۔ اُن کے ہاں حُبِ رسول ﷺ الفاظ اور جذبات سے آگے بڑھ کر اطاعت، وفاداری، قربانی اور عمل کا دوسرا نام تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔'' (سنن ترمذی) اسی لیے محبتِ رسول ﷺ کا حقیقی نمونہ دیکھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے محبت کی تو آپ ﷺ کے مشن سے بھی پوری وفاداری کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ ﷺ جو دین لے کر آئے تھے، اُس کی سربلندی اُن کی زندگی کا مقصد بن گئی۔ توحید کا پیغام عام کرنا، اسلام کی دعوت پہنچانا، حق کے لیے قربانی دینا اور اللہ کے دین کے ساتھ وفاداری نبھانا اُسے قائم و نافذ

کرنے کی جدوجہد کرنا ان کے معمولات زندگی کا حصہ بن گیا۔ وہ اپنی ذات سے بلند ہو کر ایک عظیم مقصد کے لیے جیتے اور جان دیتے تھے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں آج کے مسلمان کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ ہم محبت رسول ﷺ کا دعویٰ تو کرتے ہیں، درود و سلام بھی پڑھتے ہیں، میلاد کی محافل بھی منعقد کرتے ہیں اور نعتیہ کلام کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار بھی کرتے ہیں جو اہم عبادات ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہماری محبت ہمارے کردار میں بھی دکھائی دیتی ہے؟ کیا ہمارے معاملات سُنّتِ رسول ﷺ کے مطابق ہیں؟ کیا ہمارے باہمی تعلقات، اخلاق، معیشت، سیاست اور معاشرت میں اُسوۂ رسول ﷺ کی جھلک نظر آتی ہے؟ کیا ہم اُس دین کے ساتھ اُسی درجے کی وفاداری رکھتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی کی روشن ترین مثال سے دنیا تک پہنچایا؟

یہ سوال اس لیے بھی اہم ہے کہ آج اُمّتِ مُسلمہ دنیا کے مختلف حصوں میں کمزوری، انتشار، مظلومیت اور مغلوبیت سے دوچار ہے۔ غزہ، کشمیر، لبنان، شام، سوڈان، صومالیہ اور میانمار سمیت کئی خطوں میں مسلمان مصائب کا شکار ہیں۔ دوسری طرف اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے باوجود دنیا کے مختلف معاشروں میں قرآن مجید اور سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے کی طرف توجہ بھی بڑھ رہی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی ہے، لیکن اتنی بڑی انسانی قوت کے باوجود اُمّت اپنے اجتماعی مسائل کے حل کے لیے وہ کردار ادا نہیں کر پا رہی جس کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔ اس کمزوری کا سبب صرف بیرونی سازشیں نہیں۔ بیرونی قوتیں یقیناً اپنے مفادات کے لیے مسلمانوں کے درمیان اختلافات سے فائدہ اٹھاتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ انھیں یہ مواقع ملتے کہاں سے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ واریت، قومیت، لسانیت، علاقائی تعصبات اور ذاتی و گروہی مفادات نے اُمّت کو اندر سے اس قدر تقسیم کر دیا ہے کہ اجتماعی قوت کا اظہار مشکل ہو گیا ہے۔ ہم دشمن کی سازش کا ذکر تو بہت کرتے ہیں، مگر اپنے داخلی انتشار کا احتساب کم ہی کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہلِ ایمان کو باہمی اخوت کا درس دیا ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت 10 میں فرمایا: (ترجمہ) ”بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“ اگر محبت رسول ﷺ ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے تو پھر آپ ﷺ کی تعلیمات میں موجود اُمّت کی وحدت، اخوت اور باہمی تعاون بھی ہماری ترجیحات کا حصّہ ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا۔ اس لیے اُمّت کی قوت محض تعداد میں نہیں بلکہ اتحاد، نظم، باہمی اعتماد اور مشترکہ مفادات کے تحفظ میں ہے۔

اسی تناظر میں حالیہ دنوں مکہ مکرمہ میں پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان ہونے والا مشترکہ دفاعی معاہدہ ایک اہم پیش رفت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ تینوں ممالک کے درمیان طے پانے والے اس معاہدے کی بنیادی روح یہ ہے کہ کسی ایک فریق پر مسلح حملہ تینوں پر حملہ تصور ہوگا۔ اگرچہ معاہدے میں کسی ملک کو دشمن قرار نہیں دیا گیا، تاہم خطے کی موجودہ سیاسی اور تزویراتی صورت حال کے باعث اس کی اہمیت غیر معمولی ہے۔

البتہ معاہدے کے اعلان کے بعد یہ سوال بھی سامنے آیا ہے کہ کیا یہ دفاعی بندوبست ایران کے خلاف تو نہیں بنایا گیا۔ پھر یہ کہ ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل جو ہر گزرتے دن کے ساتھ ”گریٹر اسرائیل“ کے ابلیسی منصوبے کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ غزہ پر وحشیانہ حملے اور مسلمانوں کی نسل کشی جاری ہے، مسجدِ اقصیٰ پر صیہونیوں کے پے درپے حملے جاری ہیں۔ مذموم صیہونی منصوبوں کا تازہ ترین اندوہناک مظہر یہودیوں کو قبلۂ اول کے احاطے میں عبادت کی اجازت دینا ہے۔ لبنان اور شام میں ترکیہ کی افواج پر حملے کروائے گئے۔ پھر یہ کہ نیتن یاہو گریٹر اسرائیل کے دجالی منصوبے کو اپنا ’تاریخی‘ اور ’روحانی‘ مشن قرار دیتا ہے اور ٹرمپ ابراہم اکارڈز کے ابلیسی جھنڈے تلے مسلمان ممالک کو اسرائیل کو تسلیم کروانے کی مہم کو توسیع دینے کا مسلسل اعلان کر رہا ہے۔ کیا سہ ملکی مشترکہ دفاعی معاہدہ ان ریشہ دوانیوں کے خلاف بھی کوئی عملی قدم اُٹھائے گا؟ یہ بڑے سوالیہ نشان ہیں۔

اس معاملے کا ایک دوسرا قابلِ غور پہلو امریکی ردِعمل بھی ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے مکہ مکرمہ کے اس مشترکہ دفاعی معاہدے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے ایک بڑا اور اہم قدم قرار دیا اور کہا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ متحد ہو رہا ہے اور اپنی دفاعی صلاحیت میں اضافہ کر رہا ہے۔ تاہم یہاں بھی ہمیں جذباتی خوشی کے بجائے دوراندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کسی دفاعی معاہدے کے فی الوقت کسی فریق کے لیے قابلِ قبول ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بدلتے ہوئے حالات میں اس کے اثرات بھی ہمیشہ یکساں رہیں گے۔ بین الاقوامی سیاست میں دوستیاں اور ترجیحات مستقل نہیں ہوتیں؛ ریاستیں اپنے مفادات کے تحت پالیسیاں تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ جو طاقت آج کسی اقدام کو سراہ رہی ہو، ضروری نہیں کہ کل بھی اس کے نتائج کو اسی نظر سے دیکھے۔ اس لیے کسی بھی علاقائی یا دفاعی پیش رفت کو اُمّتِ مُسلمہ کے وسیع تر مفاد، قومی خودمختاری، باہمی اعتماد اور طویل المدت حکمتِ عملی کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ یہی دراصل اُسوۂ رسول ﷺ کا تقاضا بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فتوحات اور کامیابیوں کے مواقع پر تکبر یا خودنمائی کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور شکر کا رویہ اپنایا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی عاجزی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ کامیابی بھی بندے کو اپنے رب کے سامنے مزید جھکانے والی ہونی چاہیے۔

آج ربیع الاول کے مہینے میں اگر ہم واقعی محبت رسول ﷺ کا کسی درجہ میں حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے جذبات کو عمل سے جوڑنا ہوگا۔ ہمیں اپنی زندگیوں میں سُنّتِ رسول ﷺ کو مرکزی جگہ دینی ہوگی، باہمی اختلافات اور تعصبات سے اوپر اٹھنا ہوگا، اُمّت کی وحدت کو ترجیح دینا ہوگی۔ محبتِ رسول ﷺ صرف زبان کا دعویٰ نہیں؛ یہ زندگی بدل دینے والا عہد ہے۔ یہ محبت انسان کو اطاعت رسول ﷺ سکھاتی ہے، سنت سے وابستہ کرتی ہے، اخلاق سنوارتی ہے، مظلوم کے درد کو محسوس کرنا سکھاتی ہے، اُمّت کے دکھ کو اپنا دکھ بناتی ہے اور مسلمانوں کو باہمی اخوت و اتحاد اور اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کے نفاذ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت قرار دیتا ہے۔ آج اُمّتِ مُسلمہ کو اسی حقیقی محبت کی ضرورت ہے۔ اللہ کی بندگی کو خود اختیار کرنا، اللہ کی بندگی والے نظام کی دعوت دوسروں تک پہنچانا اور اللہ کی بندگی والے نظام کے قیام و نفاذ کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لینا...... یہی محبت رسول ﷺ کا حقیقی تقاضا ہے اور یہی ہماری موجودہ حالتِ زار سے نکلنے کی پہلی سیڑھی بھی ہے!

اُمّتِ مُسلمہ کے لیے راہِ نجات اور اقامتِ دین کی جدوجہد

(تنظیم اسلامی کی مہم کے تناظر میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ڈیفنس کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ ﷾ کے 14 اگست 2026ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات قرآنی کے بعد!

اُمّت مُسلمہ کی حالت زار اور راہِ نجات کے عنوان سے تنظیم اسلامی کی ملک گیر مہم اپنے آخری مرحلے میں ہے۔ اس مہم کے دوران جہاں اُمّت مُسلمہ کی حالت زار پر کلام ہوا، زوال کے اسباب بھی زیر بحث آئے، وہاں نجات کی راہ بھی بیان ہوئی۔ گزشتہ جمعہ کو راہِ نجات کے پہلے حصے یعنی رجوع الی القرآن پر کلام ہوا۔ آج راہِ نجات کا دوسرا حصہ یعنی اقامت دین کی جدوجہد ہمارا موضوع ہوگا۔ ان شاء اللہ! اس حوالے سے چند بنیادی اور ضروری باتیں آپ کے سامنے پیش کرنا مقصود ہیں۔

1۔ اقامت دین کی جدوجہد ہر مسلمان کا فریضہ

یہ اُمت جس کام کے لیے کھڑی کی گئی، وہ اقامت دین کی جدوجہد ہے۔ پہلے اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی 23 سالہ جدوجہد میں اس فریضہ کو عملی طور پر ادا کر کے دکھایا۔ ختم نبوت کے بعد اس فریضہ کو ادا کرنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کی دعوت کو عام کرنا، قرآن کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا، ہر اُمتی کا فرض ہے۔ آج اُمت کا سب سے بڑا اجتماعی جرم یہ ہے کہ اُمت نے اس فریضہ کو فراموش کر دیا۔ پاکستانیوں کا سب سے بڑا جرم بھی یہی ہے کہ ہم نے اللہ کے دین کے ساتھ بے وفائی کی، اسی لیے آج ہم ذلیل و خوار ہیں اور مسلسل ہمارے حالات بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس معاملے میں ہم دیگر اقوام کے ساتھ اپنا موازنہ نہیں کر سکتے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ہم امام الانبیاء ﷺ کے اُمتی ہیں، ہمارا معاملہ کافروں اور مشرکوں سے مختلف ہے۔ دنیا میں دولت، اقتدار، بادشاہت تو اللہ نے قارون، نمرود اور فرعون کو بھی دی تھی لیکن ان کا معاملہ صرف دنیا تک ہی محدود تھا لیکن مسلمان دنیا و آخرت میں کامیاب صرف اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب وہ اللہ کے دین کے ساتھ مخلص ہوں گے، اس کے نفاذ کے لیے جان، مال، صلاحیتوں اور وقت کی قربانی دیں گے۔ ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر اُمت کو دوبارہ عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

مرتب: ابو ابراہیم

2۔ فریضۂ اقامت دین کو چھوڑنے کے نقصانات

اگر اللہ کا دین نافذ نہ کیا جائے، یعنی اس کی جدوجہد نہ کی جائے، اس کی محنت نہ کی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہماری کیا حیثیت ہوگی؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ’’اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔‘‘ (المائدہ:44)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ’’اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔‘‘ (المائدہ:45)

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ’’اور جو لوگ نہیں فیصلے کرتے اللہ کے اُتارے ہوئے احکامات و قوانین کے مطابق‘ وہی تو فاسق ہیں۔‘‘ (المائدہ:47)

بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ یہ اللہ تعالیٰ کے تین فتوے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں حکمرانی ہے، وہ اللہ کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے، یا کہے کہ شریعت تو نافذ کرنے کے لیے ہے ہی نہیں تو وہ اسلام سے خارج ہے۔ ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے، شریعت کو مانتا ہے لیکن شریعت کو اپنے وجود پر، اپنے گھر میں اور اپنے دائرہ اختیار میں نافذ نہیں کرتا تو وہ عملاً کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے۔ پھر فقہاء نے اس کے درجات بھی معین کیے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کا حکم صرف پڑھنے، چھاپنے، کورسز کروا دینے یا جمعہ کے خطبہ میں صرف بیان کر دینے کے لیے نہیں آیا۔ صرف اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات میں کمپائل کر دینے کے لیے نہیں آیا، صرف کسی دارالافتاء میں submit کر دینے کے لیے نہیں آیا۔ دوبئی کی مساجد میں فتویٰ لکھ کر لگا دیا گیا کہ شراب حرام ہے لیکن باہر نکل کر دیکھو تو ڈیوٹی فری شاپس شراب سے بھری ہوئی ہیں۔

اس دوہرے طرزِ عمل پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبردار کیا:
﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الصف)
’’تم کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں ہو؟ بڑی شدید بیزاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔‘‘

یہ صرف دبئی کا مسئلہ نہیں، یہ پاکستان کا بھی مسئلہ ہے۔ سندھ اسمبلی کے ایک ہندو ممبر نے مجھے بتایا کہ ہندو مذہب میں بھی شراب منع ہے، سندھ میں مسلمان اشرافیہ ہندوؤں کے نام پر شراب کے پرمٹ جاری کرتی ہے اور پیتے خود مسلمان ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ اسی سورت کے آغاز میں اہل کتاب کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کہتے ہیں:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ﴾ (سورۃ المائدہ: 18)

''ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ کا جواب آیا:

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے' کوئی مقام نہیں ہے' کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے' تم ہم سے ہم کلام ہونے کے مستحق نہیں ہو۔ جب تک تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔'' (المائدہ: 68)

تم لاکھ اللہ کے چہیتے ہونے کے دعوے کرتے رہو، جب تک اللہ کے حکم کو نافذ نہیں کرتے تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آج موجودہ اُمت مُسلمہ بھی لاکھ دعوے کرے کہ وہ خیر اُمت ہے، اُمت وسط ہے، لیکن اللہ تعالیٰ خود کہہ رہا ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔ آج اس اُمت کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی یہی ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت 85 میں فرمایا: ''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ تو نہیں ہے کوئی سزا اس کی جو یہ حرکت کرے تم میں سے سوائے ذلت و رسوائی کے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔''

آج بعض لوگ صرف جمعہ کی دو رکعت نماز ادا کرکے سمجھتے ہیں کہ دین کا تقاضا پورا ہو گیا، بعض پانچ نماز اور بعض چند دیگر عبادات و رسومات ادا کرنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ دین مکمل ہو گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں واضح حکم دیتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠﴾ (البقرہ: 208) ''اے اہل ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔''

نماز کے علاوہ بھی عبادات ہیں، معاملات ہیں، اخلاقیات ہیں، ان سب میں بھی اللہ کے حکم کی پیروی لازمی ہے۔ خوشی غمی، کاروبار، روزگار، سیاست، عدالت، ریاست اور ہر سطح پر اللہ کے حکم کو نافذ کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کے احکام کے نفاذ کی محنت نہیں کرتے تو پھر اللہ کی نگاہوں میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر قرآن کے کچھ حصوں پر عمل کرتے ہیں لیکن کچھ پر نہیں کرتے تو یہ دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بڑے عذاب کا باعث ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم قرآن کے احکام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا اور ہمیں بخش دے گا۔

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ؀﴾ (الحجر) ''(اے نبی ﷺ!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں یقیناً بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہوں۔''

لیکن آگے فرمایا:

﴿وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ؀﴾ (الحجر)

''اور یہ کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔''

دونوں باتیں قرآن مجید نے ہمارے سامنے رکھ دی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((الايمان بين الخوف والرجاء)) ایمان خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

ہم اپنی طرف سے اللہ کے احکام پر مکمل عمل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ سے بخشش کی اُمید بھی رکھیں لیکن اس کی پکڑ کا خوف بھی دل میں ہو۔

3۔ اقامت دین کی جدوجہد کے فائدے

اقامت دین کی جدوجہد کو چھوڑ کر ہم نے دنیا میں جو ذلت و رسوائی اُٹھائی اُس کا احساس اگر ہم مسلمانوں کو ہو جائے، ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کو ہو جائے اور ہم اللہ کے دین کے نفاذ کی طرف پیش قدمی شروع کر دیں تو قرآن میں اللہ تعالیٰ وعدہ کر رہا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝﴾ (سورۃ محمد)

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔''

ہم اللہ کے دین کی نصرت کریں تو اللہ ہماری نصرت فرمائے گا۔ اللہ کے دین کی نصرت یہ ہے کہ خود دین پر عمل کیا جائے، دوسروں کو دین کی دعوت دی جائے، اس کے نفاذ کی جدوجہد کی جائے۔ جب اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہوگی تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں رسوا نہیں کر سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ علی کل شی ءقدیر ہے، ساری کائنات اس کی محتاج ہے لیکن وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، ہم کمزور ہیں لیکن وہ کمزور نہیں ہے۔ اگر اللہ ہماری مدد کو آ جائے تو ہمارے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ اسی لیے وہ ہمیں حکم دیتا ہے:

سورہ صف کی آیت نمبر 14 میں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾

''اے اہل ایمان! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔''

اللہ کو کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ محتاج تو ہم ہیں لیکن اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو وہ ہماری مدد کرے گا۔ دین کو غالب تو اللہ ہی کرے گا لیکن ایمان والوں کی آزمائش اس میں ہے کہ وہ اللہ کے دین کے قیام کے لیے محنت کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہم محنت کریں گے تو اس کا پھل اللہ تعالیٰ دے گا۔ اسی کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارا انتخاب کیا ہے:

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ (سورۃ الحج: 78)

''اُس نے تمہیں چُن لیا ہے''

اللہ نے حضرت آدم ؑ کو چنا تھا، پھر نوح ؑ کو چنا تھا، پھر ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، عیسیٰ ؑ کو چنا۔ پھر آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو اسی کام کے لیے چُنا گیا۔ قرآن میں تین مقامات پر یہ اعلان کیا گیا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ﴾ (التوبہ: 33) ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین (نظام زندگی) پر۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو مکمل نظام حیات دے کر بھیجا تاکہ اسے انسانی معاشروں میں نافذ اور قائم کر دیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی اس عظیم مشن کے لیے وقف کر دی اور 23 سال کی جدوجہد کے بعد اللہ کے دین کو قائم و نافذ کر کے دکھایا۔ ختم نبوت کے بعد یہ اس اُمت کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین کو قائم کرے اور اسی مقصد کے لیے اس اُمت کو چنا گیا ہے۔ اگر اُمت اس فریضہ کو ادا کرے گی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔ فرمایا:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ﴾ (سورۃ الحج: 40)

''اور اللہ لازماً اُس کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کرے گا۔''

آج ہم محتاج ہیں، مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، ملک سخت ترین سودی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے، ہمارے بجٹ کا 43 فیصد سود کی مد میں جا رہا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو اگلے چند سالوں میں ہمارے بجٹ کا 90 فیصد سود کی ادائیگی پر خرچ ہوگا۔ گویا بحیثیت قوم ہم سخت مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اخلاقی زوال اپنی انتہاؤں کو پہنچ چکا ہے، روز لاشیں اُٹھا رہے ہیں، بچوں اور عورتوں کے ساتھ جنسی درندگی کے روز واقعات

ہو رہے ہیں، معاشرے کا بیڑا غرق ہے، تعلیمی نظام تباہ ہو چکا ہے لیکن اللہ کہتا ہے کہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ تم میرے دین کی مدد کرو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اور تمہارے قدموں کو جما دوں گا۔ معلوم ہوا کہ مسئلہ دین میں نہیں ہے بلکہ ہمارے یقین اور عمل میں ہے۔ سورۃ آل عمران 160 میں فرمایا: ﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ﴾ ’’(اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟‘‘

ہمیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اللہ کی کامل اطاعت کے۔ سورۃ المائدہ کی آیت 66 میں سابقہ مسلمان اُمت کے متعلق فرمایا:

﴿وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ ؕ﴾ ’’اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔‘‘

اللہ آسمان سے بھی برکتیں عطا فرما دیتا، اللہ زمین سے بھی خزانوں کو کھول دیتا۔ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر تمام انسان اور جنات ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دوں، تب بھی میرے خزانے میں اتنی بھی کمی نہیں ہوگی جتنی سوئی سمندر میں ڈبونے سے اس کے پانی میں ہوتی ہے۔

اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، وہ آج بھی اس اُمت کو بہت کچھ عطا کر سکتا ہے، دنیا میں دوبارہ عروج اور غلبہ عطا کر سکتا ہے۔ مسئلہ ہمارا اپنا ہے کہ ہمیں شاید اللہ پر یقین اور توکل نہیں رہا کہ ہم اس کے دین کے لیے کھڑے نہیں ہو رہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

4۔ اختلافی نقطۂ نظر اور اسلاف کا عمل

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد یا خلافت کے قیام کی بات کرنا دورِ حاضر کے بعض سکالرز کا مسئلہ ہے، اس سے قبل دین میں ایسے کسی فریضہ کا ذکر نہیں تھا۔ بعض نے کہا علامہ اقبالؒ کو بیٹھے بٹھائے خیال آ گیا اور انہوں نے کہہ دیا:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

علامہ اقبال نے خواب دیکھا کہ ایک ایسا خطۂ ارضی ہو جہاں ہم اسلام کو نافذ کر کے اس کا ایک عملی نمونہ دنیا کو دکھا سکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مولانا مودودیؒ کو کیا سوجھی کہ انہوں نے حکومتِ الٰہی کی بات کر دی۔ سید قطب شہیدؒ کو کہاں سے خیال آ گیا اسلامی نظام ہونا چاہیے، پھر اسی جدوجہد میں وہ شہید بھی ہو گئے۔ یوسف القرضاوی صاحبؒ کو پتا نہیں کیا ہو گیا کہ وہ بھی جذباتی ہو کر نفاذِ دین اور تکبیرِ رب کی باتیں کرنے لگے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو پتا نہیں کہاں سے خیال آ گیا کہ غلبۂ دین کی جدوجہد ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ کچھ جدت پسند کہلوانے کے شوقین لوگ اس طرح کی بحثیں سوشل میڈیا پر آج کر رہے ہیں۔ اسی طرح کچھ ملحدین اور دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے بھی طرح طرح کی گمراہیاں اور غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ دینی طبقات میں سے بھی بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دین کے تصور کو اس قدر محدود کر لیا ہے کہ اب ان کے نزدیک بھی اقامتِ دین کی جدوجہد ایک اجنبی سی بات لگتی ہے۔ ان کی ساری بحثوں کا محور و مرکز چند فقہی مسائل اور مباحث ہیں۔ جبکہ اقامتِ دین کی جدوجہد جو کہ نبی ﷺ کی 23 برس کی متواتر سنت ہے، اس کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ اگر کوئی اس کی بات کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نیا دین پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح کچھ دینی لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کی بات مت کرو، مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ خلافت کے الفاظ اور اس کے قیام کے تقاضے قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ کیا قرآن سے وہ آیات نکال دی جائیں؟ کیا قرآن پڑھنا چھوڑ دیں۔ معاذ اللہ۔ ساڑھے 14 صدیوں سے اُمت اقامتِ دین کی جدوجہد کو دینی فریضہ سمجھتی آئی ہے۔ اگر آج ہم میں بگاڑ پیدا ہو گیا، داعش جیسے فتنے اُٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے خلافت کے لفظ کو بدنام کر دیا تو ضرورت اس بگاڑ کو دور کرنے کی ہے، نہ کہ ہم قرآن اور خلافت کو ہی چھوڑ دیں۔

ہمارے پیغمبر ﷺ کا لہو تو اسی جدوجہد میں طائف کی گلیوں میں بہا، اُحد کے میدان میں بہا، اپنے 259 صحابہ کرام ؓ کی جانوں کے نذرانے پیش کیے، تب جا کر اللہ کا دین جزیرۃ العرب میں قائم ہوا۔ ہم روزِ محشر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے دین کے لیے کیا کیا؟ آیئے اس موضوع پر اسلاف کا موقف جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام قرطبیؒ بہت بڑے مفسر ہیں۔ اپنی کتاب الجامع لاحکام القرآن میں سورۃ البقرہ کی آیت 30 ﴿اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ﴾ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

(ھذہ الآیۃ أصل فی نصب إمام وخلیفۃ یسمع لہ ویطاع لتجتمع بہ الکلمۃ، وتنفذ بہ أحکام الخلیفۃ... ولا خلاف فی وجوب ذلک بین الامۃ وبین الائمہ) ’’یہ آیت امام اور خلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ (کلیہ) کی حیثیت رکھتی ہے، ایسا امام کہ جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے۔‘‘

آج امامت کا تصور صرف نماز تک محدود کر لیا گیا اور اُمت کے 57 ٹکڑے کر لیے گئے حالانکہ اسلاف کے مطابق اُمت کا ایک امام ہونا چاہیے جس کا معروف کے دائرہ میں حکم پوری اُمت مانے اور اس پر عمل کرے تا کہ اُمت کی مرکزیت اور اجتماعیت برقرار رہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ: نصبِ امامت کے فرض ہونے میں امت اور اماموں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب مجموع فتاوی میں فرماتے ہیں:

(یجب أن یعرف أن ولایۃ أمر الناس من أعظم واجبات الدین، لا قیام للدین ولا للدنیا إلا بہا) ’’یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ لوگوں کے معاملات کا اختیار سنبھالنا (امامت، خلافت) عظیم ترین دینی فرائض میں سے ایک ہے، درحقیقت اس کے بغیر نہ تو دین قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی دنیاوی زندگی۔‘‘

اکثر فقہاء کے نزدیک واجب اور فرض ایک ہی چیز ہے۔ احناف کے ہاں فرض اور واجب میں تھوڑا سا فرق ہے تاہم وہ بھی زیادہ فرق نہیں سمجھتے۔ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک خلافت کے قیام کی جدوجہد عظیم ترین واجبات میں سے ایک ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ دین قائم ہو سکتا ہے اور نہ دنیا کی اصلاح ممکن ہے۔

امام غزالی ؒ اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں:
(فالدين أصل والسلطان حارس ، وما لا أصل له فمهدوم ، وما لا حارس له فضائع)
"مذہب اور اختیار جڑواں چیزیں ہیں۔ مذہب ایک بنیاد ہے اور اختیار ایک نگہبان ہے۔ جس کی کوئی بنیاد نہیں وہ فنا ہو جاتی ہے اور جس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا وہ ضائع ہو جاتا ہے۔"

دین اپنا نفاذ چاہتا ہے اور نفاذ کے لیے حکومت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے دین کو حکومت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خلافت نہیں ہوگی تو دین کیسے غالب ہوگا۔

اسی طرح امام الماوردی ؒ اپنی کتاب الاحکام السلطانیۃ والولایۃ دینیۃ میں فرماتے ہیں: (الْإِمَامَةُ: مَوْضُوعَةٌ لِخِلَافَةِ النُّبُوَّةِ فِي حِرَاسَةِ الدِّينِ وَسِيَاسَةِ الدُّنْيَا) "امامت کا قیام نبوت کے جانشین کے طور پر دین کی حفاظت اور دنیاوی امور کے انتظام و انصرام کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے دین صرف پڑھایا، سکھایا نہیں ہے بلکہ عملی طور پر قائم کر کے دیا ہے۔ امامت یا خلافت کا نظام ہوگا تو دین قائم اور نافذ ہوگا اور دین کی حفاظت بھی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ امامت و خلافت کا نظام نبوت کا قائم مقام اور جانشین ہے۔

اسلاف میں سے ابن خلدون بہت بڑے اور نامور مورخ اور مفکر ہیں۔ وہ مقدمہ ابن خلدون میں فرماتے ہیں:
(والخلافة هي حمل الكافة على مقتضى النظر الشرعي في مصالحهم الأخروية والدنيوية الراجعة إليها) "خلافت اور اقامتِ دین کا مقصد تمام لوگوں کو شرعی احکام کے مطابق چلانا ہے تاکہ ان کی دنیا کی اصلاح ہو اور آخرت کی فلاح ممکن ہو سکے۔"

امام رازی ؒ سورۃ المائدہ کی آیت 38 (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا) "اور چور خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو" کے ذیل میں فرماتے ہیں: (احتج المتكلمون بهذا الاية فى انه يجب على الامة ان ينصبوا لانفسهم اماما معينا) "اس آیت کی رو سے اُمت پر فرض ہے کہ وہ اپنا ایک امام (حاکم، خلیفہ) مقرر کرے تاکہ وہ ان سزاؤں کو نافذ کر سکے۔ ورنہ چور کا ہاتھ کون کاٹے گا؟ اس کا حکم کون دے گا؟"

شاہ ولی اللہ ؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ نے جہاد کو، قضا کو، علوم دینیہ کے زندہ رکھنے کو، ارکان اسلام کے قائم کرنے کو فرض قرار دیا ہے، اور یہ تمام امور امام مقرر کیے بغیر، خلیفہ مقرر کیے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے۔"

مولانا مودودیؒ نے لکھا: "قرآن کہتا ہے کہ چور کو سزا دینی ہے، قاتل کو سزا دینی ہے، تو یہ سزا کون دے گا؟ اس کا حکم دینے کا اختیار کس کے پاس ہوگا جب تک کہ ہم خلافت کا نظام قائم نہیں کریں گے۔"

اسلاف کی یہ آراء یہ ثابت کرتی ہیں کہ اقامت دین کی جدوجہد کو اسلام کی 14 سو سالہ تاریخ میں فرض سمجھا جاتا رہا ہے۔ آج مغربی افکار و نظریات کے زیر اثر بعض لوگوں کے نزدیک یہ اجنبی باتیں ہیں حالانکہ وہ خود لاعلم ہیں۔ مغربی افکار کے زیر اثر بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں مفتی تقی عثمانی صاحبؒ اور مفتی منیب الرحمن صاحبؒ نے بہت عمدہ آرٹیکلز لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حکم دیتا ہے: (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ) (الشوریٰ: 38) "اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔"

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں تو وہ اس آیت کو کہاں لے کر جائیں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ مسلمانوں کے مشورے سے اجتماعی (سیاسی، معاشی اور معاشرتی) نظام قائم ہونا چاہیے اور اجتماعی معاملات حل ہونے چاہئیں تو اس کا مطلب ہے کہ لوگوں کے دین کے مطابق اجتماعی نظام قائم ہونا چاہیے۔ لہٰذا ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یا مولانا مودودیؒ نے یا علامہ یوسف القرضاویؒ نے اپنی طرف سے کوئی نیا فلسفہ ایجاد نہیں کر لیا بلکہ اقامت دین کی جدوجہد اسلاف کے نزدیک بھی فرض تھی۔ دین کا اصول ہے کہ (ما لا يتم الواجب الا به فهو واجب) "کسی فرض اور واجب کو ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی شرط ہے تو وہ بھی فرض شمار ہوگی۔ نماز ادا کرنے کے لیے وضو شرط ہے، لہٰذا وضو کرنا بھی فرائض میں شمار ہوگا۔ اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنی ہے، چور کو سزا دینی ہے، قاتل سے قصاص لینا ہے تو اس کے لیے امام یا خلیفہ کا مقرر کیا جانا بھی فرض ہے۔

سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن نبی مکرم حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، آپ ﷺ نے صرف نمازیں نہیں پڑھیں پڑھائیں، صرف انفرادی اصلاح پر زور نہیں دیا بلکہ اجتماعی سطح پر اسلام کو بطور نظام قائم کیا، اس کے لیے جنگیں لڑیں، جہاد کیا، پیٹ پر پتھر باندھے، طائف اور احد میں اپنا لہو پیش کیا، اپنے صحابہؓ کی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ کیا یہ سب ہمارے لیے حجت نہیں ہے؟ کیا آپ ﷺ سے بڑھ کر قرآن کی کسی کو سمجھ ہے؟ اقبال نے کیا خوب کہا:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آج ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین سے دور ہیں، اللہ کا دین اجتماعی سطح پر مکمل طور پر نافذ نہیں۔ یہی پاکستانیوں کا بھی مسئلہ ہے۔ 14 اگست کو ہم باجے بجائیں گے، سڑکیں بلاک کریں گے، آتش بازی ریاستی ادارے کر رہے ہیں لیکن جس مقصد کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا وہ کسی کو یاد نہیں ہے۔ سب سے اہم دینی فریضہ کو ہم بھلا بیٹھے، اسی وجہ سے آج اللہ کی مدد ہمارے شامل حال نہیں ہے، ملک سودی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، ہر شہر میں قتل و غارت گری اپنے عروج پر ہے، بچے اور بچیاں قتل ہو رہی ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ایک طرف مہنگائی اور غربت کی وجہ سے غریب خودکشیاں کر رہے ہیں اور دوسری طرف اشرافیہ کی عیاشیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں، لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ سود، فحاشی، بے حیائی، اخلاقی زوال اپنے عروج پر ہے۔ کیا لاکھوں لوگوں نے پاکستان کی طرف اسی لیے ہجرت کی تھی؟ کیا ہمارے اسلاف نے اس لیے قربانیاں پیش کی تھیں؟

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

راہ نجات اسی میں ہے کہ ہم دین کی طرف لوٹیں، فرقہ پرستی اور مسلک پرستی سے نکلیں اور دین کے اجتماعی نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ یہ ہم سب پر فرض ہے۔ اگر ہم اس فرض کو ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہماری مدد کرے گا اور آخرت میں بھی ہم نجات پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اُمتِ مُسلمہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ (شجاع الدین شیخ)

باطل قوتیں پاکستان اور افغانستان کے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتیں ہیں۔ (سراج الحق)

دینی جماعتیں اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ (مولانا زاہد الراشدی)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ (ڈاکٹر عارف رشید)

اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے وہی راستہ اپنانا ہو گا جس سے پہلی مرتبہ عروج حاصل ہوا تھا۔ (رضاء الحق)

قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ”اُمتِ مُسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات“ کے عنوان سے تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام سیمینار

تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام ”امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات“ کے عنوان سے مہم جاری ہے جس کا مقصد اُمت مسلمہ کو اس کے حقیقی مقام، ذمہ داری اور موجودہ حالات کے اسباب سے آگاہ کرنا اور قرآن وسنت کی طرف اجتماعی رجوع کی دعوت دینا ہے۔ اسی مہم کے سلسلے میں تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام 19 اگست 2026ء کو قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ”اُمتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات“ کے عنوان سے ایک مرکزی سیمینار منعقد کیا جس کی صدارت امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ نے کی۔ اس سیمینار میں جماعت اسلامی کے سابق امیر محترم سراج الحق اور گوجرانوالہ سے معروف عالم دین اور ماہنامہ الشریعہ کے مدیر مولانا زاہد الراشدی نے بطور مہمان مقررین شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز صبح ساڑھے دس بجے تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ قرآن اکیڈمی، لاہور کی مسجد کے امام محترم قاری احمد ہاشمی نے تلاوت کلام پاک کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد محترم طیب رسول نے نعت رسول مقبولﷺ پیش کی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب فاروق گیلانی نے انجام دیے۔

تنظیم اسلامی کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت محترم رضاء الحق نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اُمت مسلمہ کی تاریخ کو دیکھا جائے تو دورِ نبویؐ اور خلافت راشدہ اس کے بہترین ادوار ہیں جن میں مسلمانوں کا تین براعظموں پر غلبہ رہا۔ پھر دورِ ملوکیت میں مسلمان رفتہ رفتہ زوال کا شکار ہوئے۔ لیکن عمومی طور پر اسلام دنیا پر غالب رہا۔ خلافت عثمانیہ کے دور میں بھی مسلمانوں کا رعب و دبدبہ باطل طاقتوں پر قائم تھا۔ حتیٰ کہ خلافت عثمانیہ جب کمزور تھی تو اس وقت بھی انہوں نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد نہیں ہونے دیا۔ البتہ پچھلی صدی میں جب خلافت کا خاتمہ ہوا تو پھر اُمت مسلمہ کا زوال شروع ہوا اور یہ زوال آج تک جاری ہے۔ اس وقت دنیا میں مادہ پرستی کا دور ہے اور یہودیوں نے دنیا کی معیشت کو اپنے کنٹرول میں کیا ہوا ہے۔ اس وقت دنیا میں سیکولرازم کا دور دورہ ہے۔ مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کر کے باطل قوتوں نے اپنا ذہنی غلام بنایا ہوا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو زوال سے نکالنے کے لیے وہی راستہ اپنانا ہوگا جس سے پہلی مرتبہ عروج حاصل ہوا تھا۔ مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر قرآن کو امام بنانا ہوگا اور اُسوۂ رسول ﷺ سے جڑنا ہوگا۔ تقویٰ، عبادتِ رب، اطاعتِ رسول ﷺ، شہادت علی الناس

مرتب: مرتضیٰ احمد اعوان

اور اقامت دین کی جدوجہد کرنا اُمتِ مُسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ جب تک ہم اپنے دینی فرائض کو ادا نہیں کریں گے ہماری حالت نہیں بدلے گی۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر محترم ڈاکٹر عارف رشید نے اپنے خطاب میں کہا کہ بانی تنظیم اسلامی اور صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1966ء میں تحریک رجوع الی القرآن کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے قرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ 1972ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی اور 1975ء میں تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی۔ انجمن خدام القرآن کی ذیلی شاخیں پورے پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ خود فرماتے تھے کہ میری زندگی کا مقصد صرف اسلام کی دعوت و تبلیغ اور دروس قرآن نہیں بلکہ ایک ایسی تنظیم قائم کرنا ہے جو اسلام کے عالمی غلبے کے لیے جدوجہد کرے گی۔ ان کی ان تمام مساعی کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو قرآن سے جوڑا جائے اور ان میں دینی ذمہ داریوں کا احساس اُجاگر کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی جدوجہد کا مرکز و محور قرآن تھا۔ چنانچہ اُن کی قرآنی تحریک کے نتیجے میں اس وقت تین سلسلے چل رہے ہیں۔ ایک رجوع القرآن کورسز کا سلسلہ جس سے ایسے افراد تیار ہوتے ہیں جو تعلیم و تعلم قرآن کا کام کرتے ہیں۔ دوسرا ہر سال رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ جو پورے پاکستان میں قرآن کے پیغام کو پھیلانے کا باعث ہے۔ اور تیسری تنظیم اسلامی جو اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔

جماعت اسلامی کے سابق امیر محترم سراج الحق نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی تحریک پوری دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لیے شروع کی تھی تاکہ انسان کو اُخروی فلاح حاصل ہو جائے۔ جو لوگ بھی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی طرح قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، موت اُن کو فنا نہیں کر سکتی بلکہ ایسے لوگ مخلوق خدا کی دعاؤں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خواب تھا کہ قرآن کے پیغام کو پورے عالم تک پہنچایا جائے۔ اس وقت دنیا میں 57 مسلم ممالک ہیں لیکن اُمتی وہ ہوتا ہے جو قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ موجودہ دجالی نظام میں اُمت مسلمہ کے لیے اللہ کی بندگی کرنا مشکل بنا دیا گیا ہے کیونکہ اس نظام کے بڑے ادارے آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ڈبلیو ایچ او دنیا کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر نہ کوئی تجارت کر سکتا ہے، نہ علاج کرا سکتا ہے، نہ انصاف لے سکتا ہے حتیٰ کہ دعا بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کسی عرب ملک میں اسرائیل کے خلاف اللہ سے دعا کریں گے تو آپ کو اُٹھا لیا جائے گا۔ لیکن دوسری طرف اُمت مسلمہ میں بیداری کی تحریک بھی شروع ہو چکی ہے۔ اخوان المسلمون، جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی جیسی تنظیم مسلمانوں کو

دوبارہ قرآن سے جوڑنے کی جدوجہد کر رہی ہیں۔ دوسری طرف باطل قوتیں پاکستان اور افغانستان کے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس فساد کو حل کر روکیں۔ باطل قوتیں مسلمانوں پر تسلط چاہتی ہیں۔ اس تسلط سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ اسلامی تحریکیں مل کر لوگوں کے دلوں تک قرآن کے پیغام کو پہنچائیں۔ پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کا حالیہ "مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ" خوش آئند ہے۔ لیکن ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ معاہدہ فلسطین کی آزادی اور اسرائیل کے خلاف اقدام کرے۔ اور ایران سمیت دوسرے مسلمان ممالک کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔

معروف عالم دین محترم مولانا زاہد الراشدی نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے جس مشن کا آغاز کیا تھا اس کے تسلسل کو برقرار دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے اور اس حوالے سے تنظیم اسلامی مبارک باد کی مستحق ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کوئی سپیئر پارٹس کی دکان نہیں بلکہ ایک پورا پیکج ہے اور ہم نے پورے کے پورے اسلام پر عمل کرنا ہے تبھی ہمیں دنیا میں دوبارہ عروج ملے گا۔ اس وقت دنیا بھر کی طاغوتی قوتیں مسلمانوں کو زیر رکھنے کے لیے ہر قسم کا شیطانی حربہ استعمال کر رہی ہیں۔ طاغوتی قوتیں وہی مطالبے کر رہی ہیں جو ساڑھے چودہ سو سال پہلے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کیے تھے کہ مسلمان اپنے عقائد، توحید، رسالت اور ختم نبوت پر ہم سے مصالحت کر لیں اور ہماری دجالی تہذیب کے زیر اثر رہ کر اپنی زندگی گزاریں۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی جماعتیں اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ جس طرح مختلف معاملات پر دینی جماعتیں اور علماء کرام اکٹھے ہو جاتے ہیں اسی طرح انہیں اس اتحاد کو برقرار بھی رکھنا چاہیے۔ اُمت کو زوال سے نکالنے کے لیے عوام کو صحیح سمت فراہم کی جائے اور نئی نسل کو اپنی تاریخ سے متعارف کرانا چاہیے۔

امیر تنظیم اسلامی جناب شجاع الدین شیخ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اس سیمینار کا ایک اہم مقصد مختلف دینی شخصیات سے استفادہ کرنا اور فکر کے مختلف گوشوں کو سمجھنا بھی ہے۔ کبھی کبھی علمی انداز میں اختلافِ رائے بھی سامنے آتا ہے، جس سے ہمیں کچھ نیا سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ جنرل مشرف کے دور میں قنوت نازلہ کا انگریزی ترجمہ جب بین الاقوامی میڈیا میں نشر ہوا تو یہ اعتراض سامنے آیا کہ مسلمان اتنی سخت بددعائیں کرتے ہیں۔ نتیجتاً بعض مساجد میں قنوت نازلہ کے اہتمام سے بھی روکا گیا۔ یہ غلامی کی ایک صورت ہے کہ ہماری دعاؤں تک پر پابندی عائد ہو جائے۔ اللہ نے ہمیں غلام بننے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ہمیں کھڑا ہونے کے لیے پیدا کیا ہے۔ آج اُمت کے زوال کے اسباب میں شعوری اور حقیقی ایمان کا کمزور ہونا، دنیا کی محبت میں ڈوب جانا، باہمی تفرقہ اور فرقہ واریت، غلامانہ ذہنیت اور دجالی تہذیب سے مرعوبیت سب شامل ہیں لیکن اُمت مسلمہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ قرآن سے دوری ہے۔ قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا اور یہ تقدیروں کو بدل دینے والا کلام ہے۔ جب تک اُمت نے قرآن کو تھامے رکھا اللہ نے اُمت کو عروج اور غلبہ عطا فرمایا لیکن جب اُمت نے قرآن کو چھوڑ دیا تو ہم مغلوب ہو گئے۔ اس وقت ہمارے پاس دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی ایک خطۂ زمین موجود نہیں جس کے بارے میں ہم کہہ سکیں: "آؤ، دیکھو! یہ اللہ کے دین کا عملی نمونہ ہے۔" اگر ہم عالمی سطح پر اسلامی نظام چاہتے ہیں مگر اپنی ذاتی زندگی میں جھوٹ، وعدہ خلافی خیانت، رشوت، سود، حق تلفی اور دیگر برائیوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو پھر یہ کیسا انقلاب ہوگا؟ اگر ہم پوری دنیا میں اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں مگر اپنے گھر میں قرآن کی تعلیمات نافذ کرنے، نماز کی پابندی، حقوق العباد کی ادائیگی اور حرام سے بچنے کے لیے تیار نہیں تو مسئلہ عالمی نظام سے پہلے ہماری اپنی ذات کا ہے۔ ہم اللہ کی نصرت چاہتے ہیں لیکن اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اپنی زندگی میں کتنی جگہ رکھتے ہیں؟ ہم اُمت کی سربلندی تو چاہتے ہیں لیکن اپنی ذات پر اللہ کی حاکمیت قبول کرنے کے لیے کس حد تک تیار ہیں؟ ہم فلسطین کی آزادی کی بات کرتے ہیں لیکن اپنے معاملات میں عدل، دیانت اور امانت کا کتنا خیال رکھتے ہیں؟ جب ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے یعنی اقامت دین کی جدوجہد میں تن من دھن لگا دیں گے تو اللہ کی مدد بھی ہمارے شامل حال ہوگی۔ جس کو اللہ کی مدد حاصل ہو جائے اُسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہود گریٹر اسرائیل بنانے کے منصوبے پر عمل کر رہے ہیں تو ہم گریٹر خراسان کی طرف بڑھنے کی کوشش کیوں نہیں کر سکتے۔

آخر میں جناب سراج الحق کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

❁❁❁

گوشہ انسدادِ سود

پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ اور مستقبل کے امکانات

(گزشتہ سے پیوستہ)

انسدادِ سود کے لیے عملی اقدامات

7) تجارتی بینکوں کے لیے اجازت ہو کہ وہ ریئل انوسٹمنٹ اور ٹریڈنگ وغیرہ کے شعبوں میں بھی سرمایہ کاری کر سکیں۔ اس میں نہ کوئی شرعی قباحت آڑے آتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسری مشکل ہے۔

8) سٹاک مارکیٹ میں سٹہ بازی کی صریح ممانعت ہو اور حصص کی صرف حقیقی خرید و فروخت کی اجازت دی جائے۔

9) بینکوں کے آڈٹ کا شرعی اعتبار سے ایک اضافی محکم نظام قائم کیا جائے۔

10) "قرض اتارو اور ملک سنوارو مہم" میں سے پہلی دو صورتوں کو برقرار رکھتے ہوئے تیسری یعنی "بچت اکاؤنٹ" کو فوراً ختم کیا جائے اور اس کی بجائے زکوٰۃ وصول کی جائے جس کے ضمن میں یہ ضمانت دی جائے کہ یہ صرف اور صرف اور براہ راست ملکی قرضے کی ادائیگی میں صرف ہوگی!

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ﴾ (العنکبوت: ۶۹)

(شائع شدہ: ہفت روزہ ندائے خلافت' شمارہ 42' سال 2015ء)

(جاری ہے)

بحوالہ: "انسدادِ سود کا مقدمہ اور وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال" از حافظ عاطف وحید

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 1581 دن گزر چکے!

قرآن کے ذریعے تذکیر کیجیے!

حافظ عاکف سعید رحمہ اللہ
(سابق امیر تنظیم اسلامی پاکستان)

قرآن حکیم میں جب جنت کا ذکر آتا ہے تو ساتھ ہی جنت کے لیے کوالیفیکیشن بھی مذکور ہوتی ہے۔ کوالیفیکیشن کے حوالے بالعموم ایمان اور عمل صالح کا ذکر ہوتا ہے۔ عمل صالح کیا ہے؟

یہ درحقیقت ایمان اور بندگی رب کے تقاضوں کی ادائی ہے، جو قرآن وسنت میں واضح کیے گئے ہیں۔ یعنی آدمی کون سے کام انجام دے اور کن کاموں سے اجتناب کرے۔ جو شخص ایمان لائے گا اور ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرے گا، وہ جنت میں جائے گا۔ جنت کی کوالیفیکیشن کے لیے دوسرا لفظ ''متقین'' آتا ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر یہ بات کہی گئی ہے کہ جنت متقین کے لیے ہے۔ اگر دیکھا جائے تو متقی کے لفظ میں بھی ایمان اور عمل صالح دونوں جمع ہیں۔ اس لیے کہ متقی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ کو رب مان کر اُس کے دیے گئے احکامات پر چلتا اور اُس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں جس سے میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے۔ اُسے اس بات پر پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، لہٰذا وہ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی اور حرام کاموں سے بچاتا ہے۔ سورۃ قٓ کی آیات 34، 35 میں فرمایا گیا کہ اہل تقویٰ سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، اور اُن کے لیے وہاں ہر طرح کی نعمت ہوگی، ہر وہ چیز ہوگی جس کی انہیں چاہت ہوگی۔ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی کہ جو دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی، نہ کسی کان نے اُن کا ذکر سنا ہوگا اور نہ کسی ذہن کی اُن تک رسائی ہی ہوگی۔ ان تمام تر نعمتوں سے بڑھ کر نعمت دیدارِ الٰہی ہوگی۔ اہل جنت دنیا میں بغیر دیکھے رب پر ایمان لائے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دیدار کی نعمت سے فیض یاب کرے گا۔

اللہ تعالیٰ سورۃ قٓ میں فرماتا ہے:﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُم بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِن مَّحِيصٍ ۝﴾

''اور کتنی ہی قوموں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا ہے جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھیں، سو انہوں نے ملکوں کے ملک فتح کیے! پھر کیا وہ کوئی جائے فرار پا سکے؟''

مندرجہ بالا آیت میں اہل مکہ کو حق کی مخالفت کی پاداش میں دنیوی عذاب کے حوالے سے متنبہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں براہ راست خطاب اہل مکہ سے ہے۔ قریش مکہ خوب جانتے تھے کہ اُن سے پہلے بڑے بڑے فراعنہ اور نمارود گزر چکے ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتیں نیست و نابود ہو چکی ہیں، جن کے پاس بہت بڑی عسکری قوت اور افواج قاہرہ موجود تھیں۔ اُن کی قوت اور گرفت کا یہ عالم تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتیں تو وہ قوم اُن کے استبدادی شکنجے سے نہ نکل سکتی تھی۔ لیکن ان کی تمام تر قوت وطاقت اللہ کے مقابلے میں اُن کے کسی کام نہ آئی۔ جب حق کی مخالفت اور اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں اُن پر عذاب آیا تو وہ شہروں کو کریدنے لگے کہ شاید انہیں کوئی جائے پناہ مل سکے، مگر انہیں کہیں پناہ نہ مل سکی۔ ان کی طاقت وقوت اور کبر کے بت پاش پاش ہو گئے اور انہیں نیست و نابود ہونا پڑا۔ آج ان قوموں کے محض کھنڈر ہی باقی ہیں۔ قریش ان قوموں اور اُن کے احوال سے واقف تھے۔ اُن کے تجارتی قافلے جب شام کی طرف جاتے تو اپنی آنکھوں سے ان کی ویران بستیاں اور کھنڈر دیکھتے۔ وہ قوم لوط، قوم ثمود وغیرہ کے تاریخی مقامات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ یہ کھنڈر اور تاریخی آثار اس بات کے گواہ تھے کہ یہاں کسی زمانے میں بڑی بڑی تہذیبیں موجود تھیں مگر جب ان لوگوں نے آسمانی ہدایت کی نفی کی تو نشانِ عبرت بنا دیے گئے۔ قرآن کا انداز خطابی ہے۔ وہ کفارِ مکہ اور رہتی دنیا تک کے منکرین حق پر یہ واضح کرتا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے اگر اتنی طاقتور اقوام اور تہذیبیں عذابِ الٰہی سے نہ بچ سکیں، تو تم اللہ کی نافرمانی اور اُس سے بغاوت کا راستہ اختیار کر کے عذاب سے کیونکر بچ سکو گے۔

آگے فرمایا:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝﴾ ''یقیناً اس میں یاددہانی ہے اُس کے لیے جس کا دل ہو یا جو توجہ سے سنے حاضر ہو کر۔''

آیاتِ قرآنی اور اُن میں بیان کردہ یہ واقعات نصیحت اور عبرت کا ذریعہ ہیں۔ ان میں سبق آموزی کا بہت بڑا سامان ہے، مگر اُن لوگوں کے لیے جو دل بیدار رکھتے ہوں، یا جو کان لگا کر حق بات کو سنتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں قلبِ بیدار کی صورت میں ایک فیکلٹی رکھ دی ہے، جو اُسے حقیقت کی یاددہانی کراتی ہے۔ اگر دل زندہ و بیدار اور نورِ فطرت سلامت ہو تو تھوڑی سی توجہ دلانے پر بھی انسان کو حقیقت یاد آ جاتی ہے اور اُس کا باطن معرفتِ الٰہی کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی دعوت سنی تو ایک لمحہ بھی تاخیر نہ کی فوراً ایمان لے آئے۔ ہاں جس کا دل ہی زنگ آلود ہو جائے پھر اس میں قبولِ حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک دھبہ پڑ جاتا ہے۔ لیکن جب توبہ کرتا ہے تو یہ دھبہ صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ کی بجائے مزید گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک اور دھبہ پڑ جاتا ہے، تا آنکہ اُس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ پہلے پہل دل گناہ و نافرمانی پر انسان کو ٹوکتا ہے مگر جب آدمی ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا اور بار بار اُسے مسترد کرتا ہے تو دل مردہ ہو جاتا ہے۔ پھر اُس پر کوئی موعظت اثر نہیں کرتی۔ قرآن حکیم جیسی موعظت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا واعظ کون ہو سکتا ہے، مگر اس کے باوجود ابولہب، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، اور دوسرے سردارانِ قریش ایمان نہ لائے، کیونکہ اُن کے دل مردہ ہو گئے تھے اور نورِ فطرت سلامت نہ رہا تھا۔

قرآن کی نعمت اور یاددہانی ایک تو دل بیدار رکھنے والوں کے لیے نافع ہے، دوسرے اُن لوگوں کے لیے مفید ہے جو دعوتِ حق کو پوری توجہ اور دھیان سے سنیں۔ اس انداز سے سننے کے نتیجے میں آدمی کو اندر سے گواہی مل جاتی ہے کہ جو دعوت پیش کی جا رہی ہے وہ حق ہے۔ اس بات میں ہمارے لیے خاص طور پر بشارت کا پہلو موجود ہے۔ ہمارے دلوں کی نہ جانے کیا کیفیت ہو گی۔ کیا خبر ان میں بیداری برقرار رہ گئی ہو یا نہ ہو تاہم

اگر ہم حق بات کو توجہ سے سنیں تو امید ہے کہ ہدایت قرآنی سے مستفید ہوں گے، اس کے برعکس اگر کوئی حق بات سننے ہی کا روادار نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خود ہی اپنی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت کر لی ہے۔ ایسے شخص کو قرآنی ہدایت سے فائدہ نہ ہوگا۔

آگے ارض و سماوات کی تخلیق کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝۳۸﴾ ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے پیدا کیا چھ دنوں میں۔ اور ہم پر کوئی تھکان طاری نہیں ہوئی۔''

ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تاریخ انسانی میں آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ زمین و آسمان کو اللہ نے نہیں، ہم نے بنایا ہے۔ کفارِ مکہ بھی اللہ کو کائنات کا خالق تسلیم کرتے تھے۔ یہاں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ چھ دنوں سے مراد ہمارے دن نہیں بلکہ چھ ادوار ہیں۔ جیسے ایک درخت کے بیج کو کامل درخت بننے میں وقت لگتا ہے، اسی طرح کائنات کی تخلیق بھی درجہ بدرجہ اپنی مجبوری کو پہنچی۔ یہ بھی واضح فرمایا کہ کائنات کی چھ دنوں میں تخلیق سے اللہ پر کوئی تھکان طاری نہ ہوئی، اور یوں اُس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا جو تحریف شدہ تورات نے پھیلائی تھی۔ تورات میں ہے کہ اللہ نے چھ دنوں میں زمین و آسمان پیدا کیے اور ساتویں دن آرام کیا۔ اسی سے ہفتہ وار تعطیل کا تصور اخذ کیا گیا ہے۔ یعنی چھ دن کام اور ساتویں دن آرام کرو۔ قرآن مجید اس اعتبار سے بھی مہیمن ہے کہ وہ سابقہ کتب میں تحریف کے نتیجے میں راہ پا جانے والے غلط تصورات کی نفی کر کے اصل حقائق کو واضح کرتا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) آپ صبر کیجیے اس پر جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔''

یعنی کفار دعوتِ حق کی مخالفت میں آپ کے متعلق سخت سے سخت باتیں کہتے ہیں، آپ اُن پر صبر کیجیے۔ اپنا کام جاری رکھیے، حق بات کہتے رہیے۔ ایک دن آئے گا اللہ ان سے خود نمٹ لے گا۔ یہ ہدایت حضور ﷺ کے توسط سے آپ کے تمام امتیوں کے لیے بھی ہے جو آپ کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ انہیں چاہیے کہ دعوت و اقامت دین کے نبوی مشن کو آگے بڑھانے میں جو مشکلات اور مصائب پیش آئیں اُن پر صبر کریں، مخالفتوں کی پروانہ کریں اور اپنا سفر جاری رکھیں۔

آگے فرمایا:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝۳۹ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۴۰﴾ ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے سورج کے طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونے سے قبل۔ اور رات کے حصوں میں بھی اس کی تسبیح بیان کرو۔ اور سجدوں (نمازوں) کے بعد بھی۔''

تسبیح و تحمید معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس سے معرفت کی تکمیل ہوتی ہے۔ آپؐ سے فرمایا کہ تین اوقات میں خصوصی طور پر تسبیح و تحمید کا اہتمام کیجیے، یعنی طلوع آفتاب سے پہلے، غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے ایک حصے میں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں آپؐ پر تین ہی نمازیں فرض تھیں، فجر، عصر اور تہجد۔ بہر حال یہ تین وقت خصوصی طور پر قبولیت کے ہیں بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں اوقات نماز کی طرف اشارہ ہے۔ قبل الطلوع سے نماز فجر، قبل الغروب، سے ظہر عصر اور من الليل سے مغرب وعشاء مراد ہیں۔ (واللہ اعلم) قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ کا حکم تو جا بجا آیا ہے مگر نمازوں کے اس نظام کا اوقات کی ترتیب کے ساتھ ذکر نہیں آیا۔ پنجگانہ نمازوں کا یہ نظام حدیث و سنت رسول ﷺ سے ملتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے دیکھتے ہو۔ تو نمازوں کا یہ نظام آپؐ کے اسوہ اور سنت و سیرت سے ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں محض اس کے اشارات آئے ہیں۔ سجدوں کے بعد تسبیح کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز ادا کر لینے کے بعد بھی کثرت سے تسبیح و تحمید کی جائے۔ چنانچہ فرض نمازوں کے بعد آپ کی معمولات میں بہت سے اذکار شامل تھے۔ جیسے اللہ اکبر، استغفر اللہ، فرائض کے بعد دعائیں اور تسبیح فاطمہ وغیرہ۔ ہمیں ان اذکار مسنونہ کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔

آگے بعث بعد الموت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۴۱﴾ ''اور کان لگائے رکھو جس دن پکارنے والا پکارے گا بہت قریب کی جگہ سے۔''

یہاں نفخ ثانی کا ذکر ہے۔ جب اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہے گا تو اُس کے حکم سے ایک فرشتہ قریب کی جگہ سے صور میں پھونکے گا۔ ''قریب کی جگہ'' کے حوالے سے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی چٹان ہے۔ اس چٹان پر سے صور میں پھونکا جائے گا صور کی آواز سب لوگ سنیں گے۔ اس رائے میں کتنا وزن ہے، یہ معلوم نہیں، تاہم یہ واضح ہے کہ صور کی آواز ہر آدمی کو بالکل قریب محسوس ہوگی۔ اُسے سن کر وہ یہ محسوس کرے گا گویا میرے سر پر سے صور پھونکا جا رہا۔ یہ بات آج بآسانی سمجھ آ سکتی ہے۔ آج الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ایک خبر دنیا کے ایک کونے سے نشر ہوتی ہے اور بیک وقت پوری دنیا میں سنی جاتی ہے۔ ٹی وی پر دنیا کے کسی بھی کونے میں پیش آنے والے واقعہ کی رپورٹ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے یوں دیکھتے ہیں، گویا وہ واقعہ اُن کے سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہے۔

﴿يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝۴۲﴾ ''جس دن کہ وہ سنیں گے ایک چنگھاڑ حق کے ساتھ۔ وہ ہوگا نکلنے کا دن۔''

جب لوگ یہ چنگھاڑ سنیں گے تو قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ یہ نفخہ ثانی ہے۔ اس سے پہلے نفخہ اولیٰ وہ ہوگا جس سے ہر ذی حیات پر موت طاری ہو جائے گی۔ نفخہ ثانی پر جس کا یہاں ذکر ہے، سب لوگ جی اٹھیں گے اور قبروں سے نکل رہے ہوں گے۔ یہ ہے نکلنے کا دن۔ اس نکلنے کی کیفیت برسات کے موسم میں پتنگوں کے زمین سے نکلنے کے مشابہ ہوگی۔

آگے فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝۴۳ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝۴۴﴾ ''یقیناً ہم ہی زندہ رکھتے ہیں اور ہم ہی موت وارد کرتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف (سب کو) پلٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین اُن پر سے پھٹ جائے گی اور وہ تیزی سے نکل پڑیں گے۔ یہ (سب کا) جمع کر دینا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔''

یعنی موت وحیات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں کوئی کتنا بھی جی لے آخر کار اُسے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ انسان کو پہلی بار بھی اللہ نے پیدا کیا دوبارہ بھی وہی زندہ کرے گا۔ اس دن زمین کی کیفیت یہ ہو گی کہ لوگوں کے اوپر سے پھٹ جائے گی اور وہ اُس میں سے نکل کر یوں دوڑ رہے ہوں گے گویا انہیں کہیں پہنچنے کا ٹارگٹ دیا گیا ہو۔ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ نسل انسانی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا میں آنے والے آخری انسان تک سب کو دوبارہ زندہ کرنا اور اکٹھے کرنا اُس کے

لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ رب کائنات جو اس قدر وسیع کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ ایک ہی میدان میں لوگوں کو لا کھڑا کرے گا اور پھر ان سے حساب کتاب ہوگا۔

آگے فرمایا:

﴿نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ ﴿۴۵﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اور آپ ان پر کوئی زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔ پس آپ تذکیر کرتے رہیے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔''

یعنی ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ منکرین حق، یہ مشرکین، اللہ اور نبی کی شان میں گستاخیاں کرتے اور قیامت کے حوالے سے طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں۔ ان کی زبانیں، اللہ اس کے رسول اللہ ﷺ اور عقیدہ آخرت کے حوالے سے جو زہر اگلتی ہیں، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ اے نبیؐ، آپ کا کام تو اُن کو قرآن کے ذریعے تذکیرو یاد دہانی ہے۔ آپ ان کو زبردستی راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ آپ قرآن کے ذریعے انہیں یاد دہانی کراتے رہیے۔ جو بھی میری وعید سے ڈرتا ہے اُسے یہ تذکیر فائدہ دے گی۔ تذکیر کا موثر ذریعہ میرا یہ کلام ہے۔ بدقسمتی سے آج ہم نے قرآن کو چھوڑا رکھا ہے، اسی لیے ذلیل و خوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم اور اس کی شرح سنت رسول ﷺ پر اپنی توجہات مرکوز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❁❁❁

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ کراچی وسطی قرآن مرکز جوہر 1 کے ملتزم رفیق محترم سید صباحت علی کے بڑے صاحبزادے کی طبیعت شدید ناساز ہے۔

برائے بیمار پرسی: 0345-2109055

اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء و احباب سے بھی بیماروں کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(6 تا 19 اگست 2026ء)

جمعرات 06 اگست: دن میں مرکزی اسرہ کے اجلاس کی صدارت کی۔ سہ پہر میں شعبہ تعلیم و تربیت اور شام میں شعبہ نظامت کے اجلاسوں کی صدارت کی۔

جمعۃ المبارک 07 اگست: دن میں شعبہ رابطہ، قانونی و انتظامی امور کے اجلاس کی صدارت کی۔ نماز جمعہ سے قبل مشیر خصوصی جناب ایوب بیگ مرزا سے ملاقات کی۔

خطاب جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لاہور میں ارشاد فرمایا۔ سہ پہر میں ''ماہنامہ میثاق'' سے متعلق اور بعد نماز عصر شعبہ نشر و اشاعت کے اجلاسوں کی صدارت کی۔

ہفتہ 08 اگست: دن میں شعبہ زکوٰۃ و انگریزی اور بعد ازاں چند انتظامی امور کے حوالے سے اجلاسوں کی صدارت کی۔ بعد نماز مغرب حلقہ لاہور شرقی کے ایک حبیب تنظیم کی دعوت پر ان کے خاندان کے افراد کے لیے سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے منعقد ہونے والے ایک پروگرام میں ''سچا امتی کون؟'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

اتوار 09 اگست: دن میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ملک گیر آگاہی مہم کے حوالے سے ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات'' کے موضوع پر قرآن آڈیٹوریم، گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہونے والے سیمینار کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ دیا۔ شام میں کراچی روانگی ہوئی۔

منگل 11 اگست: بعد نماز عشاء رہائش گاہ سے متصل مقام پر اہل محلہ کے لیے ماہانہ خطاب کے حوالے سے ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

جمعرات 13 اگست: مرکزی اسرہ کے اجلاس کی آن لائن صدارت کی۔

جمعۃ المبارک 14 اگست: خطاب جمعہ مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ڈیفنس کراچی میں ارشاد فرمایا۔ بعد نماز مغرب تنظیم اسلامی حلقہ کراچی شرقی کے زیر اہتمام تنظیم اسلامی کی ملک گیر مہم کے حوالے سے ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات'' کے موضوع پر عیدگاہ گراؤنڈ گلشن معمار میں خطاب فرمایا۔

ہفتہ 15 اگست: رات کو اسلام آباد روانگی ہوئی۔

اتوار 16 اگست: دن میں تنظیم کے زیر اہتمام ملک گیر مہم کے حوالے سے ''اُمّتِ مُسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات'' کے موضوع پر حلقہ جات اسلام آباد اور پنجاب شمالی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سیمینار کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ دیا۔ شام میں چند ذمہ داران اور بعد ازاں چند رفقاء سے ملاقات ہوئی۔

پیر 17 اگست: دن میں کورنگ ٹاؤن کے علاقہ میں قرآن مرکز میں Youth Meetup کے سلسلہ میں نوجوانوں کی ایک نشست میں شرکاء کے تنظیمی فکر، طریقہ کار، حالات حاضرہ اور نوجوانوں کے مسائل سے متعلق سوالات کے جوابات دیے۔ دوپہر میں Rose TV چینل کے دعوت پر ان کے اسٹوڈیو میں ایک انٹرویو ریکارڈ کرایا جس میں حالات حاضرہ، تنظیمی سرگرمیوں اور اتحاد امت کے حوالے سے بھی نکات زیر گفتگو آئے۔ شام میں کراچی روانگی ہوئی۔

بدھ 19 اگست: کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک پوڈکاسٹر کی دعوت پر اُن کے سٹوڈیو میں پوڈکاسٹ ریکارڈ کروائی۔ رات کو کراچی سے لاہور آمد ہوئی۔

معمول کی مصروفیات: نائب امیر صاحب سے مستقل رابطہ رہا نیز تنظیمی امور انجام دیے۔ منتخب قرآنی نصاب کے حوالہ سے مختلف ذمہ داریاں ادا کیں۔ معمول کی چند ریکارڈنگز کرائیں۔ گھریلو اسرہ کا اہتمام جاری ہے۔ رفقاء و احباب سے تعزیت و عیادت کے حوالے سے رابطہ رہا۔

اُمتِ مسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات

حدیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں

شوکت اللہ شاکر

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے زمانے کی ہدایت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی اُمت کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی بہت سی احادیث ایسی ہیں جن میں آئندہ پیش آنے والے حالات کی خبر دی گئی ہے۔ ان ہی میں سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے، جسے محدثین نے اُمتِ مسلمہ کے زوال اور اس کے علاج کے حوالے سے اس حدیث کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اگر مسلمان اس حدیث کو سمجھ لیں تو انہیں اپنے زوال کا سبب بھی معلوم ہو جائے گا اور عزت و سربلندی کا راستہ بھی۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ دوسری قومیں تمہارے خلاف اس طرح جمع ہو جائیں جیسے کھانے والے اپنے دسترخوان پر جمع ہوتے ہیں۔'' ایک صحابیؓ نے عرض کیا: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت زیادہ ہوگے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند بے وقعت ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ''وَہن'' ڈال دے گا۔'' عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا۔'' (سنن ابی داود)

یہ حدیث بظاہر چند جملوں پر مشتمل ہے، لیکن حقیقت میں اُمتِ مسلمہ کے زوال اور عروج کا مکمل منشور ہے۔

پہلی حقیقت: دشمنوں کا متحد ہو جانا

آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ وقت قریب ہے کہ جب مختلف قومیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جائیں گی۔''

حیرت کی بات یہ ہے کہ جن قوموں کے مفادات آپس میں متضاد ہوں گے، وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گی۔

یہ اس بات کی علامت ہے کہ جب کوئی اُمت اپنے اصل مشن سے غافل ہو جاتی ہے تو دوسروں کے لیے آسان شکار بن جاتی ہے۔

دوسری حقیقت: تعداد نہیں، معیار اہم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً سوال کیا کہ کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد کم ہوگی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ اس وقت تم بہت زیادہ ہوگے۔''

یہ جواب اُمت کے لیے ایک بڑا سبق ہے۔ اسلام نے کبھی صرف تعداد پر اعتماد کرنا نہیں سکھایا بلکہ ایمان، کردار، علم، اخلاص اور تقویٰ کو اصل قوت قرار دیا ہے۔

بدر میں 313 اہلِ ایمان نے ہزار کے لشکر کو شکست دی، کیونکہ ان کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے۔

تیسری حقیقت: سیلاب کا جھاگ

''تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہوگے۔''

سیلاب کا جھاگ بہت زیادہ ہوتا ہے، مگر اس کی کوئی حقیقت، وزن یا استحکام نہیں ہوتا۔

اسی طرح وہ اُمت جو قرآن سے دور، اخلاق سے خالی، علم سے محروم، باہمی اختلافات میں مبتلا اور دنیا پرست ہو جائے، وہ تعداد میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اس کی ہیبت باقی نہیں رہتی۔

چوتھی حقیقت: رعب ختم ہو جانا

''اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا۔''

جب مسلمان اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے دلوں سے اُن کا رعب نکال دیتا ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے:

''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔'' (محمد: 7)

پانچویں حقیقت: اصل بیماری ''وَہن''

صحابہؓ نے پوچھا: ''وہن کیا چیز ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔''

یہی اس حدیث کا مرکزی نکتہ ہے۔

دنیا کی محبت کا مطلب یہ نہیں کہ انسان تجارت، ملازمت یا زراعت نہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت پر غالب آ جائے، مال و منصب مقصدِ زندگی بن جائیں، حق قربان ہو جائے اور دین صرف رسم بن کر رہ جائے۔

اور ''موت سے نفرت'' کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں کسی قربانی کے لیے تیار نہ رہے، حق بات کہنے سے ڈرے اور اپنی آسائش کو دین پر ترجیح دے۔

اُمت کی موجودہ حالت

آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان وسائل کے باوجود دوسروں کے محتاج ہیں، آبادی کے باوجود منتشر ہیں، اور قرآن رکھنے کے باوجود اس کی تعلیمات سے دور ہیں۔ یہ حدیث ہمیں دوسروں کو الزام دینے سے پہلے اپنا محاسبہ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

راہِ نجات

اس حدیث کی روشنی میں اُمت کی نجات کے بنیادی ستون یہ ہیں:

ایمان کی تجدید اور اللہ سے مضبوط تعلق۔

قرآن و سنت کی طرف مکمل رجوع اور ان کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل۔

تزکیۂ نفس اور دنیا کی محبت سے دلوں کو پاک کرنا۔

علم، حکمت اور صحیح دینی فہم کو عام کرنا۔

اتحادِ اُمت اور فرقہ واریت و تعصبات سے اجتناب۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زندہ کرنا۔

دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے لیے منظم اور پُرامن جدوجہد کرنا، تاکہ معاشرہ عدل، امانت، شوریٰ اور اللہ کی ہدایت کے مطابق استوار ہو۔

صبر، استقامت، ایثار اور قربانی کو اپنی اجتماعی زندگی کا شعار بنانا۔

حاصلِ مطالعہ

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اُمت کا زوال بیرونی سازشوں سے پہلے اندرونی کمزوریوں سے شروع ہوتا ہے، اور اس کا عروج بھی باہر سے نہیں بلکہ ایمان، تقویٰ، اصلاحِ نفس اور اللہ کے دین سے وفاداری سے شروع ہوتا ہے۔ جب مسلمان اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں گے، قرآن و سنت کو اپنی زندگی کا محور بنائیں گے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اخلاص کے ساتھ کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت دوبارہ ان کے شاملِ حال ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی محبت اور ''وہن'' کی بیماری سے محفوظ فرمائے۔ قرآن و سنت پر کامل استقامت عطا فرمائے، اُمتِ مسلمہ کو اتحاد، عزت اور صحیح دینی بصیرت عطا فرمائے، اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے بارے میں فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص) ''اور انجام کار متقین ہی کے لیے ہے۔''

سیرت رسول ﷺ سے دوری: وجوہات اور اثرات

انجم راہی

سیرت رسول ﷺ اسلامی تاریخ کا وہ اہم باب ہے جو نہ صرف دینی ہدایت بلکہ اخلاقی اور معاشرتی اصول بھی فراہم کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی اور اسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لیے مشعل راہ ہے اور اسی کو اپنا کر اُمت ایک زمانے تک بساط عالم پر اپنا پرچم لہراتی رہی ہے اور تقریباً ہزار سال اقتدار میں رہنے کے بعد پھر اُمت مسلمہ زوال کا شکار ہوئی تو یہ زوال مختلف شعبوں میں آیا، خصوصاً باب سیرت میں غیر معمولی زوال آیا کہ اُمت مسلمہ جہاں قلبی اور عملی طور پر سیرت سے دور ہوئی تو وہیں فہم سیرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی، جس کے واضح اثرات گزشتہ دو تین صدیوں سے بخوبی نمایاں ہیں، ایسا آخر کیوں ہوا؟

سیرت رسول سے دوری کی وجوہات

1۔ دینی غفلت: جس طرح سے ایک مسلمان اپنی دنیوی زندگی کو لے کر سنجیدہ ہے، اپنی اُخروی زندگی کے حوالے سے اتنا ہی غافل ہے۔ ایک طرف اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے گھنٹوں اپنا پسینہ بہاتا ہے تو دوسری طرف جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے بچنے کے لیے پنج وقتہ نماز بھی ادا نہیں کر پاتا۔ آخر کیوں؟ لہٰذا کچھ دیر کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں شریعت اسلامیہ یا سیرت طیبہ کا علم نہیں لیکن آج کے برقی آلات اور ذرائع ابلاغ ہی ہمارے اس قول کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ آج تو علم حاصل کرنا بہت ہی آسان ہوگیا ہے اس لیے یہ عذر نہ تو دنیا میں سودمند ہے اور نہ ہی آخرت میں اس کے مقبول ہونے کی گنجائش ہے۔

دراصل ہم اپنی ترجیحات بدل چکے ہیں، آج مذہب ہماری اولین ترجیحات میں شامل نہیں، ہم دنیا کی رنگینیوں اور چکاچوند میں گم ہو کر اتنے عجلت پسند ہو چکے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کا وعدہ بھی لمبا لگنے لگا ہے۔ ہم صرف حسی دنیا اور جلد ملنے والی نعمتوں پر یقین رکھے ہوئے ہیں اور اس دنیا کی نعمتوں نے ہمیں اس قدر دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ ہمارا ہر فیصلہ اسی دنیوی زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے، کچھ لوگ تو اتنے جری ہو گئے ہیں کہ ان کے تصورات، فہم اسلام یا روح اسلام سے یکسر متصادم نظر آتے ہیں، جیسے یہ کہنا کہ جو ہوگا مرنے کے بعد دیکھا جائے گا۔

2۔ سیرت کی ناقص تفہیم: سیرت کی افہام و تفہیم اور تعلیم و تدوین مختلف علوم و فنون کے ضمن میں ہوئی لیکن باضابطہ سیرت کے عنوان سے اس پر ایک زمانے تک کام نہیں ہوا اور اس کے اصول و ضوابط تو ابھی بھی نامکمل ہیں۔ سیرت کے عنوان سے جو بھی کام ہوا وہ واقعات اور غزوات تک ہی محدود ہو کر رہ گیا، اس میں بھی تدقیق و تحقیق کی قلت دامن گیر رہی۔ اس لیے سیرت کا علیحدہ جامع محقق فہم لوگوں تک نہیں پہنچ پایا، جب بھی پہنچا تو کسی نہ کسی دوسرے علم و فن کے ضمن میں اضافی طور پر پہنچا اور اس فن کی جزئیات میں اہل علم و فن نے اتنی غوطہ زنی کی کہ اس سے مختلف مکاتب فکر وجود میں آگئے اور ہر مکتب فکر نے اپنے اپنے موقف کے ثبوت میں سیرت طیبہ سے استدلال کا جو طریقہ اپنایا اس سے خود سیرت طیبہ، تضادات کی زد میں آگئی۔ بس یہیں سے سیرت طیبہ کا عملی و فکری گراف لوگوں کے مابین کمزور ہوتا چلا گیا جسے مزید ہوا اہل مغرب کے بے جا اعتراضات نے دی، اور جس کے رد عمل میں مسلم سیرت نگاروں نے جو سیرت نگاری کی وہ صرف نظریات و عملیات سے متعلق تھی جس کے نتیجے میں خود مسلمانوں میں دو طرح کے ذہن پیدا ہو گئے:

- ایک مغربیت زدہ سیکولر ذہن
- دوسرا مادیت زدہ مذہبی ذہن

مغربیت زدہ سیکولر ذہن اپنے نظریاتی اور فکری اختلاف کی وجہ سے خود کو روشن خیال تصور کرنے لگا اور مستشرقین کے زہریلے پروپیگنڈے میں آکر نہ صرف عشق رسول بلکہ ایمان اور اسلام کی حقانیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ دوسری طرف مادیت زدہ لوگوں نے تو خود کو کسی طرح مستشرقین کے شبہات سے بچا لیا لیکن عشق رسول اور سیرت کے روحانی پہلو کو فرسودہ اور شخصیت پرستی تصور کرنے لگے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت سے قلبی اور روحانی لگاؤ ختم سا ہو گیا، صرف خشک عقیدہ و عمل باقی رہ گیا اور خیال رہے کہ جو عمل اور عقیدہ اپنی روحانی حیثیت کھو دے وہ زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ پاتا اس لیے دھیرے دھیرے مسلمانوں سے بقیہ عمل بھی دور ہو گیا اور نتیجہ سیرت طیبہ سے لاتعلقی تک جا پہنچا اور یوں ہمارا معاشرہ، سیرت کے حسن و جمال سے خالی ہونے لگا۔

3۔ رول ماڈل کی کمی: رول ماڈل کی موجودگی نوجوانوں کے لیے ایک سمت فراہم کرتی ہے اور زندگی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے اُن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ایسے رول ماڈل جو سیرت کے اعلیٰ معیار پر پورا اُتریں وہ معاشرتی مسائل کے افہام و تفہیم اور انسانی اقدار کے تحفظ میں بخوبی رہنمائی کرتے ہیں۔ اُن کا کردار یقین دلاتا ہے کہ کامیابی کا حقیقی معیار صرف مادّی دنیا ہی نہیں بلکہ سیرت رسول میں بھی پوشیدہ ہے۔

آج سیرت پر لمبی لمبی تقریریں کرنے والے تو مل جاتے ہیں لیکن اسی سیرت کو اپنانے والے مشکل سے مل پاتے ہیں، انسانی فطرت ہے کہ وہ مثالی چیزوں کو جلدی قبول کر لیتی ہے، صرف نظریات پر اپنی عمارت کھڑی کرنا خاص لوگوں کا طریق ہے عام لوگوں کو حسی نمونہ (ماڈل) چاہیے جسے دیکھ کر وہ اپنی زندگی کا قبلہ شب و روز درست کرتے رہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت بھی نسل انسانی کے اسی فطری مطالبہ کو پورا کرتی ہے اور آپ ﷺ کی دعوت کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دعوت پر دلیل خود اپنی زندگی کو بنا دیا تھا: لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس: 16) میں دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تمہارے بیچ زندگی کا ایک عرصہ گزار چکا ہوں جو میری صداقت پر دلیل ہے۔

آپ کہیں گے کہ علماء اور مشائخ تو سیرت کے رول ماڈل ہیں تو پھر کس کی تلاش ہے؟ بالکل علماء و مشائخ سیرت کے حوالے سے رول ماڈل ہیں، انھیں تو یہ حق خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ

الانبیاء، مگر ایسے علما اور مشائخ ہیں کہاں جو اس منصب کا حق ادا کرتے ہیں۔ آج اُن کے ظاہر و باطن میں خود ہی بڑا تضاد نظر آتا ہے۔ ان حضرات کی زندگی اور سیرت کے بیچ بعد المشرقین ہے۔ پھر علماء اور مشائخ کے ہاں اس قدر جزوی اختلاف ہیں اور اُن اختلافات پر اس قدر شدت کے ساتھ عمل ہے کہ اُمت کے بیشتر افراد ان کے اُنھیں جزوی اختلافات کی نذر ہو چکے ہیں۔ عام لوگ جب سیرت طیبہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو علما اور مشائخ کے پاس جاتے ہیں اور یہ حضرات اُنھیں اپنے معمولات کے اس قدر پابند بنا دیتے ہیں کہ عوام، سیرت طیبہ کی اصل روح سے ہی محروم ہو جاتی ہے، کیوں کہ ہر شخص فقط اپنے مشائخ کے معمولات کو فروغ دینے کی کوشش کرنے میں لگا رہتا ہے تاکہ اُن کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ جائے اور معاشرے میں وہ معزز کہلائیں۔

4۔ نظام تعلیم کی کمزوری: موجودہ تعلیمی نظام میں سیرت کو درست طریقے سے شامل نہیں کیا جاتا۔ نصاب میں سیرت کو اہمیت نہ دینا، یا اُسے سطحی انداز میں پیش کرنا ایک بڑی وجہ ہے کہ نوجوان نسل، نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو پاتی۔

5۔ مغربی ثقافتوں کا اثر: مغربی ثقافت اور میڈیا کے غلبے نے مسلمانوں کے معاشرتی اور ذہنی دھارے پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ یہ اثرات بھی نبی کریم ﷺ کی تعلیمات و سیرت سے دوری کی بڑی وجہیں ہیں، زیادہ تر افراد مغربی تہذیب و ثقافت کو ترجیح دیتے ہیں، ایسے میں لازم ہے کہ علماء روایتی طرز بیان کو ترک کرتے ہوئے سیرت کی عصری معنویت و اہمیت کو جدید طرز پر نمایاں کریں تاکہ مغربی تہذیب و ثقافت کے بالمقابل سیرت رسول کا پہلو بہر حال پُرکشش معلوم ہو۔

6۔ مادّی فوائد کی خواہش: مادّی فوائد اور دُنیوی کامیابی کی خواہش نے بھی بہت سے لوگوں کو رُوحانیت اور سیرت سے دور کر رکھا ہے۔ افراد اکثر اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل میں اتنے مگن اور مشغول ہوتے ہیں کہ وہ روحانی و اخلاقی پہلوؤں کی جانب بہت کم توجہ دے پاتے ہیں۔

7۔ دین کی بنیادی فہم کا فقدان: بہت سے لوگ دین کی بنیادی تعلیمات اور سیرت کے حوالے سے کم علمی کا شکار ہیں۔ اس علمی فقدان کی وجہ سے اُن کے لیے نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی اہمیت کا صحیح ادراک مشکل ہو پاتا ہے۔

8۔ آپسی اختلافات: مختلف اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اختلافات اور فرقہ واریت نے بھی سیرت کی بنیادی تعلیمات کو نظر انداز کرنے میں اہم کردار نبھایا ہے۔ اس کے نتیجے میں عام انسان ایک متحدہ اور جامع اسلامی تعلیمات سے دور و نفور ہوتا چلا جاتا ہے۔

سیرت رسول سے دوری کے منفی نتائج

1۔ روحانیت کی کمی: سیرت سے دوری کے باعث افراد کی روحانیت متاثر ہوتی ہے اور چونکہ سیرت سے دوری کے سبب اخلاقی و روحانی تربیت نہیں ہو پاتی۔ یہ چیز سیرت سے دوری کا سب بڑا خسارہ ہے۔

2۔ معاشرتی مسائل میں اضافہ: سیرت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے معاشرتی مسائل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ عدل، رحم دلی اور برابری جیسے اصول جو نبی کریم ﷺ نے متعارف کرائے تھے، اُن پر عمل نہ کرنے کی صورت میں معاشرتی بے چینی اور مسائل بڑھتے ہیں۔

3۔ اخلاقی بحران: سیرت سے دوری اخلاقی بحران کو بھی جنم دیتی ہے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت اخلاقی نمونہ فراہم کرتی ہے، اس لیے اُس سے دوری اخلاقی و روحانی پستی کا سبب بنتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیرت، مسلمانوں کی زندگی کا بنیادی حصہ ہے اور اُس سے دوری معاشرتی، اخلاقی اور روحانی مسائل پیدا کرتی ہے۔ تعلیمی نظام کی بہتری، غلط ثقافتی اثرات سے تحفظ اور دین کی بنیادی تعلیمات کے ذریعے ہی اس دوری کو کم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیرت کو اپنی زندگی میں شامل کر کے ہم نہ صرف اپنی روحانیت اور اخلاقی اقدار کو مستحکم کر سکتے ہیں بلکہ ایک مضبوط اور متحرک و فعال معاشرہ بھی تشکیل دے سکتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

”عظمتِ مصطفیٰ مسلمانوں کے دلوں میں پیوست ہے اور ہماری عزت و آبرو مصطفیٰ کے نام سے ہی قائم و دائم ہے۔“

❁❁❁

ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین، محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مطہرہ پر
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی کی جملہ کتب اب تین ضخیم جلدوں میں
سیرت النبی ﷺ سیریز
کے عنوان سے شائع ہوگئی ہیں!
سیرت النبی ﷺ اور ہماری زندگی
(رسول اکرم ﷺ اور ہم)
سیرت النبی ﷺ اور فلسفۂ انقلاب
(منہج انقلاب نبوی ﷺ)
خطبات سیرت النبی ﷺ
(سیرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام)
صفحات: 1100 ❁ معیاری کاغذ ❁ عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل ❁ مضبوط جلد
مکمل سیٹ عمدہ اور نفیس پیکنگ میں
~~2500~~ روپے کے بجائے صرف 1250 روپے
فری ہوم ڈلیوری کے ساتھ
مکتبہ خدام القرآن
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501(042)
وٹس ایپ نمبر: 0301-111-5348
maktaba@tanzeem.org

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ: داعی و مبلغِ اسلام کی دس صفات

مولانا محمد نعمان خلیل

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مختصر سوانح

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ دینِ اسلام اور اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی ایمانی، روحانی، علمی اور دینی درس گاہ دارِ ارقم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی تربیت میں رہے۔ مکہ مکرمہ کے امیر ترین خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ کی چپل حضرموت علاقہ سے اور آپؓ کا لباس یمن سے خصوصی طور پر لایا جاتا تھا۔ ناز و نعمت میں بڑے ہوئے، جسم اتنا ملائم تھا کہ حبشہ کی ہجرت کے وقت جب پیدل چلے تو پاؤں سے خون جاری ہو گیا۔ اسلام لانے کے بعد اُس تمام ناز و نعمت کی قربانی دی، جو بدن ریشم جیسا نرم لباس پہننے کا عادی تھا، اُسی بدن پر رسیاں کسی گئیں۔ اسلام کی خاطر اپنا مال، آرام، عیش و عشرت کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو وہ انعام عطا فرمایا جو کسی اور اُمتی کو نہ مل سکا کہ مدینہ منورہ کی طرف اسلام کے سب سے پہلے مثالی اور کامیاب مبلغ و سفیر بنائے گئے۔ غزوۂ اُحد میں شہادت سے نوازے گئے۔

(سیر اعلام النبلا ءللذہبی، ج:3، ص:96)

آپؓ کی زندگی کے نمایاں پہلو

آپؓ کی اسلامی زندگی کے دو پہلو بہت نمایاں ہیں:

1- مدینہ منورہ کی طرف داعی بنا کر بھیجا جانا

2- غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں مہاجرین کے علم بردار

اس مضمون میں آپ کی زندگی کے پہلے نمایاں پہلو کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

12 نبوی میں جب بیعتِ عقبہ اولیٰ ہوئی، تو مدینہ منورہ سے آئے ہوئے انصاری حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی معلم دیجیے، جو ہمیں قرآن کریم کی تعلیم دے، اور نماز کی امامت کروائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دینِ اسلام کا سب سے پہلا سفیر بنا کر اُن کی طرف بھیجا۔ مدینہ منورہ میں آپؓ کی دعوت کا عرصہ ایک سال سے بھی کم ہے، لیکن اتنے قلیل عرصہ میں دعوت اتنی پھیلی کہ مدینہ منورہ کا کوئی گھرانہ اسلام سے خالی نہ رہا۔ قبیلہ بنو عبد الاشہل "قبیلہ اوس" کی بڑی شاخ تھی، اُن میں سے ایک شخص کے علاوہ پورا قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا اور بعد میں وہ صاحب بھی غزوۂ اُحد کے موقع پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، وہیں شہادت کے مقام سے سرفراز ہوئے اور بغیر کوئی نماز پڑھے سیدھے جنت میں پہنچ گئے، جنہیں اُصیرم رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔ اگلے سال 13 نبوی کو مدینہ منورہ کے ستر سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے حاضر ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، جسے بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

آپؓ کا دعوتی نصاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو ایک خصوصی نصاب دے کر بھیجا، وہ دعوتی نصاب تین نکات پر مشتمل ہے:

1- تعلیمِ قرآن 2- اقامتِ صلوٰۃ 3- تفقہ فی الدین

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:1، ص:298)

دعوتی نصاب کی اہمیت و خصوصیت

1- تعلیمِ قرآن

سماوی اور غیر سماوی ادیان کی تاریخ میں ہدایت و اصلاح، عقائد و نظریات، حکومت و سیاست، تہذیب و ثقافت، مالی اور معاشی نظم و ضبط، اخلاقی اقدار اور فنونِ حرب کے اعتبار سے مؤثر ترین کتاب قرآن کریم ہے، ہدایتِ انسانی کا کوئی نصاب اور کوئی دعوت قرآن کریم کی تعلیم کے بغیر نامکمل ہے۔

2- اقامتِ صلوٰۃ

کلمہ طیبہ کے بعد اسلام کا اولین فریضہ، دینِ اسلام کا امتیازی نشان اور اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق کا مضبوط ذریعہ نماز ہے۔

3- تفقہ فی الدین

دین کی اس قدر سمجھ کہ مسلمانوں میں اسلامی روح، دینی مزاج اور الہامی صلاحیت و بصیرت نکھر کر سامنے آ جائے تفقہ فی الدین کہلاتا ہے۔

تفقہ فی الدین اسلامی دعوت کا اہم ترین اور لازمی جزو ہے۔ اس کے علاوہ دعوت کا فریضہ مکمل طور پر ادا نہیں ہو سکتا، حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے تفقہ کا درس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا، اور یہ تفقہ جب انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں منتقل کیا گیا، تو ان کے اجتہادی فیصلے قیامت تک کے لیے دینِ اسلام کا حصہ بن گئے، جمعہ کی نماز کا قیام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ذریعہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجتہادی فیصلہ تھا، جو انہوں نے تفقہ فی الدین کے نتیجہ میں کیا، جو آگے چل کر دینِ اسلام کا مکمل فریضہ بن گیا۔ اور حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص کہلوائے جنہوں نے مکہ مکرمہ سے بھی پہلے مدینہ منورہ میں جمعہ کا قیام فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:1، ص:98، دارالحدیث، القاہرۃ)

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور اسلامی اسالیبِ دعوت

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوت قرآن کریم کے اصولِ دعوت کے عین مطابق تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں دعوت کے تین اسلوب بیان فرماتے ہیں: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ﴾ (النحل: 125) "آپؐ دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور اُن سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔"

1- حکمت بالغہ 2- موعظہ حسنہ 3- مجادلہ حسنہ

آپؓ نے جس طرح حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دعوت دی، وہ ان تینوں چیزوں کا مظہر ہے، سیرت اور تاریخ کی کتب میں اس کا مفصل تذکرہ موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ بنی ظفر کے چشمہ پر چند مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ بنی عبد الاشہل کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفیق اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس داعیِ اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہاں آ کر ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اگر میرا اسعد بن زرارہ سے رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضرت اسعد

بن زرارہ ؓ کے خالہ زاد بھائی تھے) تو میں تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا۔ یہ سن کر اُسید بن حضیر ؓ نے نیزہ اُٹھایا اور حضرت مصعب بن عمیر ؓ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر انتہائی سخت لہجہ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''تمہیں یہاں آنے کی کیسے جرأت ہوئی؟ تم ہمارے کمزور اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرتے ہو۔ اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔''

اس قدر ناروا اور سخت گفتگو کے باوجود حضرت مصعب بن عمیر ؓ نے بڑی نرمی سے فرمایا:

''آپ تشریف رکھیں اور ایک بار ہماری دعوت سن لیں۔ اگر کوئی بات معقول اور آپ کی مرضی کے مطابق ہو تو قبول کر لیجیے گا اور اگر ہماری بات آپ کو پسند نہ آئے تو ہم خود یہاں سے چلے جائیں گے۔''

اُسید بن حضیر ؓ نے کہا: یہ تم نے انصاف کی بات کی ہے، اور متوجہ ہو کر سننے لگے۔ حضرت مصعب بن عمیر ؓ نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور پھر اسلام کے عقائد و محاسن کو اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا کہ تھوڑی ہی دیر میں اسید بن حضیر ؓ کے دل میں ایمان کا نور چمکنے لگا اور بے تاب ہو کر کہنے لگے: کیسا اچھا مذہب ہے! اور کیسی بہتر ہدایت ہے! اس مذہب میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

حضرت مصعب ؓ نے فرمایا: ''غسل کیجیے، پاک صاف ہو جائیے، کپڑے بھی پاک صاف کر لیجیے اور اس کے بعد حق کی گواہی دیجیے اور نماز ادا کیجیے۔''

چنانچہ اُسید ؓ کھڑے ہو گئے، غسل کیا، کپڑے پاک کیے، کلمۂ توحید پڑھا اور پھر دو رکعت نماز پڑھ کر کہنے لگے: میرے پیچھے ایک شخص ہے، اگر اس نے بھی تمہاری پیروی کر لی تو اس کے بعد اس کی قوم سے کوئی فرد اسلام سے باہر نہ رہے گا۔ میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، وہ سعد بن معاذ ؓ تھے۔ جب وہ واپس لوٹے تو سعد بن معاذ ؓ نے انہیں دیکھتے ہی کہا: واللہ! ''اسید'' جس حالت میں گیا تھا، اس سے بالکل جدا حالت میں واپس آ رہا ہے۔ جب وہ آ کر مجلس میں کھڑے ہوئے تو سعد ؓ نے پوچھا: تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: ان دونوں سے گفتگو کی، واللہ! مجھے ان دونوں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا اور میں نے انہیں منع بھی کر دیا ہے اور دونوں نے اقرار کیا ہے کہ جیسا تم پسند کرو، ہم ویسا ہی کریں گے۔ البتہ مجھے خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کر کے تمہیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے، چنانچہ سعد بن معاذ ؓ غصے سے بھرے ہوئے بڑی تیزی سے اُٹھے کہ کہیں بنی حارثہ ان کو واقعتاً قتل ہی نہ کر دیں، ان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر تیزی سے ان کی طرف گئے۔ سعد بن معاذ ؓ نے دیکھا کہ وہاں حالات بالکل ٹھیک ہیں، تو وہ سمجھ گئے کہ اسید ؓ نے یہ حیلہ صرف اس لیے کیا ہے، تا کہ مجھے ان لوگوں کی باتیں سنوائی جائیں، چنانچہ انہوں نے جاتے ہی ان کو گالیاں دینا شروع کر دیں اور اسعد بن زرارہ ؓ سے کہا: ''اے ابوامامہ! سنو، اگر تمہارے اور میرے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی تو تمہیں یہ جرأت قطعاً نہ ہوتی کہ تم ہمارے محلہ میں آ کر ایسی باتیں کرتے جنہیں ہم ناپسند کرتے ہیں۔''

حضرت مصعب بن عمیر ؓ نے اُن کی گفتگو اور گالم گلوچ کو بڑے تحمل کے ساتھ سنا اور بڑی نرمی سے کہا: ''آپ ایک بار ہماری دعوت سن لیں، اگر کوئی بات آپ کی مرضی کے مطابق ہو اور آپ کو پسند آئے تو اسے قبول کر لیجیے گا اور اگر اسے ناپسند کریں تو ناپسندیدہ بات کو آپ سے دور کر دیا جائے گا۔

سعد بن معاذ ؓ نے کہا کہ یہ تم نے انصاف کی بات کی۔ حضرت مصعب بن عمیر ؓ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور سورۂ زخرف کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں، اور اسلام کا نقشہ کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ وہ فوراً ہی مسلمان ہو گئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ بنی عبدالاشہل کی طرف آئے، اور ان سے کہا: اے بنی عبدالاشہل! تم اپنے درمیان مجھے کس مقام کا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے سردار، آپ سب سے زیادہ خویش پرور، بہترین رائے والے اور بڑی عقل والے ہیں۔ انہوں نے کہا: تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاؤ اور پھر شام ہونے سے پہلے پہلے قبیلہ بنی عبدالاشہل نے حضرت سعد بن معاذ ؓ کے زیر اثر اسلام قبول کر لیا۔ (سیر أعلام النبلاء للذہبی، ج:1، ص:98، دارالحدیث، القاہرۃ)

داعی کی دس صفات حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی سیرت کی روشنی میں

سیدنا مصعب بن عمیر ؓ کی ذاتی زندگی، ان کے اسلوب دعوت، اور منہج تبلیغ کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا ایک موثر ترین مبلغ، داعی، اور سفیر اسلام کو دس صفات کا حامل ہونا ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی مکمل طور پر کسی مبلغ اور داعی میں نہ پائی جائے تو اس کی دعوت وہ برگ و بار نہیں لا سکتی اور اس قدر موثر اور پھل دار نہیں ہو سکتی جتنی ہونی چاہیے، اور بہت ممکن ہے کہ ایسی دعوت کے معاشرہ میں برے نتائج ظاہر ہوں۔

1-طلب علم

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر ؓ اسلام لانے کے فوراً بعد اسلام کی سب سے پہلی درس گاہ دار ارقم میں طالب علم رہے، جس کے معلم حضور ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ آپ ؓ ہجرت حبشہ تک آپ ﷺ کی خصوصی تربیت میں رہے۔ دین کا صحیح علم صاحب شریعت سے سیکھا اور سمجھا۔

طلب علم 'داعی اور مبلغ کے لیے لازمی شرط ہے، علم کے حصول کے بغیر شریعت کا داعی اور ترجمان بننا شریعت کے لیے انتہائی خطرناک چیز ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص میڈیکل کی تعلیم کے بغیر از خود اپنے مطالعہ سے ڈاکٹر بن جائے، یقیناً یہ شخص انسانی معاشرے اور انسانی جانوں کا دشمن ثابت ہو گا، اور سرکاری اور غیر سرکاری کسی بھی سطح پر ایسا ڈاکٹر قابل قبول نہیں ہو سکتا، اسی طرح دینی تعلیم کے حصول اور اس کے صحیح فہم کے بغیر از خود مطالعہ کر کے بننے والا مبلغ، داعی اور شریعت کا ترجمان 'اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے ایمان کے لیے زہر قاتل ہے۔

2-علم میں پختگی

علم کے حصول کے بغیر اگلا درجہ علم میں پختگی، اس کی عملی مشق، اور اس میں رسوخ کا ہے۔ اگر علم کا حصول برائے نام ہو، یا شریعت کے کسی خاص پہلو کا مطالعہ کیا ہوا ہو تو ایسا شخص بھی شریعت کی کامل و مکمل تشریح اور کامل دین کا ترجمان نہیں بن سکتا۔ حضرت سیدنا مصعب بن عمیر ؓ کی علمی پختگی 'ان کے اسلوب دعوت اور آپ ﷺ کے اعتماد سے مکمل طور پر عیاں ہوتی ہے۔

3-اخلاص وللّٰہیت

دینی علوم کا حصول دنیاوی مقاصد، شہرت، طمع،

حب جاہ اور حب مال ہو تو ایسا علم دنیا و آخرت میں وبالِ جان اور ابدی رسوائی کا ذریعہ ہے۔ اس بارے میں کئی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں۔

4-عمل صالح

علم میں پختگی اور رسوخ کی پہلی سیڑھی عمل صالح ہے، جو علم بغیر عمل کے ہو وہ بغیر پھل دار درخت کی مانند ہے، ایسا علم اپنے اور دوسروں کے ایمان کے لیے نقصان دہ ہے۔ داعی کا اگر اپنی دعوت پر عمل ہی نہ ہو تو سامنے والے پر دعوت کا مثبت اثر ہونے کے بجائے برا اثر پڑتا ہے، اور اس کی وجہ سے دین اسلام میں مزید شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اقامتِ صلوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی، جو اولین اور بلند ترین عمل صالح ہے۔

5-لوگوں کے مرتبہ کے اعتبار سے گفتگو کرنا

حضرت سیدنا مصعب بن عمیرؓ سرداروں سے سرداروں کے لب ولہجہ میں، اُن کے مقام و منزلت کی رعایت کرتے ہوئے، اُن کی ذہنی سطح کے اعتبار سے گفتگو کرتے تھے، اور دیگر لوگوں سے اُن کے مقام کے اعتبار سے۔ اس ضمن میں حضرت اسید بن حضیرؓ اور سعد بن معاذؓ کی دعوتی گفتگو کو بطورِ خاص ذہن میں رکھنا چاہیے۔

6-اپنی دعوت پر مکمل یقین

حضرت سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو اپنی دعوت پر اتنا یقین تھا کہ سامنے والے مخاطبین سے فرماتے: ہماری گفتگو اور ہماری دعوت سن لو، اگر معقول، دل پسند اور حق پر مبنی نہ ہو تو آپ اس سے بہتر چیز کی طرف ہماری راہنمائی کر دیجیے گا۔ یہ اسلوب وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں انسان کو اپنی بات کی حقانیت اور اس کی تاثیر پر مکمل یقین ہو۔

7-اطمینان و وقار اور بے خوفی

داعی کا لازمی اور خصوصی وصف اطمینان اور پروقار رہنا ہے، کیوں کہ دعوت کے کام میں کسی بھی ناگوار صورت حال کا سامنا ہو سکتا ہے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ اپنے قبیلے کے سردار بھی ہیں، اور نیزہ لے کر غصہ کے عالم میں آپ کے پاس آ رہے ہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ مکمل مطمئن ٹھہرے رہے، اور فرمایا: کیا ہی اچھا ہوگا، اگر آپ ہماری دعوت سن لیں گے، اگر اچھی بات ہو تو قبول کر لیں، کیوں کہ آپ تو سردار ہیں، اور سردار اچھی بات لینے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اور اگر بری لگے تو ہماری دعوت سے اعراض کر لیجیے گا، یہی انداز سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی رکھا گیا۔

8-اخلاق حسنہ سے متصف ہونا

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر انتہائی با اخلاق تھے، مسکرا کر ملنے کے عادی تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ لوگ ان کی مجلس میں بیٹھنا، اور ان سے باتیں کرنا بہت پسند فرماتے تھے۔

9-زبانی فصاحت

داعی کا ترجیحی وصف یہ ہے کہ زبانی فصاحت، لسانی بلاغت، اور جملوں کی ادائیگی میں شستگی رکھتا ہو۔ حضرت سیدنا مصعب بن عمیرؓ کا اندازِ گفتگو اتنا نرالا اور مؤثر ہوتا تھا کہ آپ" کی مجلس سے اٹھنا لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔

10-قرآن کریم سے استدلال

داعی اور مبلغ اسلام کے لیے لازمی اور ضروری وصف یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کو قرآن کریم سے مزین کرے، قرآن کی دعوت، کائنات کی مؤثر ترین دعوت ہے، قرآنی قصص کا بیان، قرآنی آیات کی تلاوت، اور قرآنی دلائل بیان کرنے سے نہ صرف دعوت مؤثر بنتی ہے، بلکہ ایسی دعوت کو دوام و بقا، اور جاودانی ملتی ہے۔

دین اسلام الحمد للہ کامل و مکمل دین ہے، جس کا نصاب قرآن و سنت ہے، اور اس نصاب میں دینی دعوت کے ہر پہلو کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے، اس لیے اسے بلا سند جھوٹے قصوں کے سہارے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام طلبہ اور داعیانِ دین کو ان صفات سے متصف فرمائیں، اور اپنے دین کا داعی، مبلغ، سفیر اور حقیقی ترجمان بنائیں۔ آمین یارب العالمین!

❁❁❁

پریس ریلیز 21 اگست 2026ء

حکومت اور اپوزیشن بانی پی ٹی آئی کی صحت پر سیاست سے باز رہیں۔
دفاعی معاملات پر قانون سازی اہم، عوام کی بہبود کے لیے قانون سازی اہم تر ہے۔
ملک کے تمام اندرونی و بیرونی مسائل کا اصل حل صرف شریعتِ محمدی ﷺ کے نفاذ سے ممکن ہے۔

شجاع الدین شیخ

حکومت اور اپوزیشن بانی پی ٹی آئی کی صحت پر سیاست سے باز رہیں۔ دفاعی معاملات پر قانون سازی اہم، عوام کی بہبود کے لیے قانون سازی اہم تر ہے۔ ملک کے تمام اندرونی و بیرونی مسائل کا اصل حل صرف شریعتِ محمدی ﷺ کے نفاذ سے ممکن ہے۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ بانی پی ٹی آئی کی قید میں بگڑتی ہوئی صحت کے باعث عدالتی حکم کے مطابق انہیں جیل سے ہسپتال منتقل کرنا خوش آئند ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور اپوزیشن اس معاملے پر سیاست سے اجتناب کریں۔ پھر یہ کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر کی جیلوں میں ہزاروں افراد جان لیوا بیماریوں میں مبتلا ہیں، اُن کے لیے بھی مناسب علاج کا بندوبست کیا جائے۔ امیر تنظیم نے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں نیشنل کمانڈ اتھارٹی ایکٹ میں ترمیم اور ڈیفنس فورسز ایکٹ 2026 کی منظوری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات سے نمٹنا اور دفاع کو مضبوط کرنا یقیناً قومی سلامتی کے لیے ضروری ہے لیکن عوام کے بنیادی مسائل کو حل کرنا اور اس حوالے سے قانون سازی میں بھی سرعت سے کام لینا اہم تر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ملک میں عوام کی فلاح و بہبود کو اولین ترجیح دی جانی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بھی ہمیں یہی درس دیتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ کی مخلوق پر کسی نوعیت کی ذمہ داری دی گئی ہو اُن کا فرض بنتا ہے کہ عوام کی تمام جسمانی و روحانی ضروریاتِ زندگی کو احسن انداز میں پورا کرنے میں کوشاں رہیں۔ لہٰذا مہنگائی، بے روزگاری اور جملہ معاشی و سماجی مسائل کی چکی میں پسی ہوئی عوام کو ریلیف دینے اور بالخصوص ملک سے سود کے خاتمے کے لیے بھی فوری قانون سازی کی جائے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ ملک کو درپیش تمام چیلنجز کا واحد اور اصل حل اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے نفاذ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور 79 سال گزرنے کے بعد بھی ملک میں شریعتِ محمدی ﷺ کا نفاذ نہیں کیا گیا، جو ایک بڑی مجرمانہ غفلت ہے۔ لہٰذا فوری طور پر ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ و قیام کے لیے عملی اقدامات اُٹھائے جائیں تاکہ ہم دنیا میں بھی امن و خوشحالی کی طرف بڑھ سکیں اور اُخروی کامیابی کے امیدوار بھی بن جائیں۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

قرآنِ حکیم: علم کا سمندر

حسیب آصف شیخ (مرکزی شعبہ نشرواشاعت)

پیارے بچو! ذرا سوچیے! کیا آپ نے کبھی رات کے اندھیرے میں آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ کر سوچا ہے کہ یہ کائنات کتنی بڑی ہے؟ یا کبھی کسی پرندے کو ہوا میں کسی سہارے کے بغیر تیرتے دیکھ کر ذہن میں خیال آیا کہ یہ نیچے کیوں نہیں گرتا؟

ہم میں سے اکثر بچے تو ان باتوں کو سائنس کی کتابوں میں پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تمام باتیں آج کے سائنس دانوں نے دریافت کی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں آج کے سائنس دان بڑی بڑی دوربینوں (Telescopes) اور لیبارٹریوں میں رات دن محنت کے بعد سمجھ رہے ہیں، ہمارا قرآن پاک آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی اتنی آسانی سے بتا چکا ہے! بچو! کیا آپ نے کبھی غبارہ پھلایا ہے؟ جیسے جیسے آپ اس میں ہوا بھرتے ہیں، غبارہ بڑا ہوتا جاتا ہے اور اس پر بنے نشان ایک دوسرے سے دور ہونے لگتے ہیں۔ آج کی ماڈرن سائنس (Astronomy) کہتی ہے کہ ہماری یہ پوری کائنات بھی بالکل اسی غبارے کی طرح مسلسل پھیل رہی ہے!

سائنس دانوں نے تو یہ بات ابھی کچھ عرصے پہلے دریافت کی، لیکن ہمارے پیارے رب نے ساڑھے 14 سو سال پہلے "سورۃ الذاریات" میں واضح فرما دیا تھا: "ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی اس کو وسعت دینے والے (پھیلانے والے) ہیں"۔

صرف یہی نہیں، سائنس آج بتاتی ہے کہ سورج اور چاند اپنے اپنے راستے (Orbit) پر چکر لگا رہے ہیں۔ قرآن پاک کی "سورۃ یٰسین" کھولیے، وہاں لکھا ہے کہ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے، سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

چلیے! اب آسمان سے ذرا سمندر کی گہرائیوں میں چلتے ہیں۔ اگر آپ دو گلاس لیں، ایک میں میٹھا پانی اور دوسرے میں نمک ملا کھارا پانی ڈالیں اور دونوں کو ملا دیں، تو وہ فوراً مکس ہو جائیں گے۔ لیکن بچو! دنیا میں دو ایسے بڑے سمندر ہیں جو آپس میں ملتے تو ہیں، مگر ان کا پانی کبھی ایک دوسرے میں مکس نہیں ہوتا! ایک طرف میٹھا پانی ہے تو دوسری طرف کڑوا کھارا۔ سائنس دانوں نے جب اس پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ دونوں پانیوں کی کثافت (Density)، نمکیات اور درجہ حرارت کے فرق کی وجہ سے ان کے درمیان ایک قدرتی پردہ بن جاتا ہے۔ سائنس نے یہ بات اب جا کر دریافت کی، جبکہ "سورۃ الرحمٰن" میں اللہ تعالیٰ نے ساڑھے 14 سو سال پہلے ہی فرما دیا تھا: "اس نے دو سمندر جاری کیے جو باہم ملتے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتے۔" اور کیا آپ کو معلوم ہے؟ سائنس کہتی ہے کہ ہر جاندار کا زیادہ تر حصہ پانی سے بنا ہے۔ قرآن کی "سورۃ الانبیاء" میں اللہ تعالیٰ نے صدیوں پہلے فرما دیا: "اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔"

بچو! کبھی آپ نے چیونٹیوں کو قطار میں جاتے دیکھا ہے؟ جب دو چیونٹیاں آمنے سامنے سے گزرتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہہ رہی ہوں۔ پرانے زمانے میں لوگ سمجھتے تھے کہ چیونٹیاں صرف معمولی کیڑے مکوڑے ہیں جو کچھ نہیں سوچتیں۔ لیکن علم حیوانات (Entomology) کی جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ چیونٹیوں کا اپنا ایک پورا کمیونیکیشن نیٹ ورک ہوتا ہے، وہ کیمیائی اشاروں اور مخصوص آوازوں سے ایک دوسرے کو خطرے سے آگاہ کرتی ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے، جہاں ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہتی ہے: "اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں کچل نہ دے۔" (سورۃ النمل)

ذرا سوچیے! قرآن نے صدیوں پہلے چیونٹیوں کی اس بات چیت اور سمجھ بوجھ کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان کر دیا تھا! یہ تمام باتیں جاننے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ سائنسی حقائق کیوں بیان فرمائے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک صرف اس لیے نہیں نازل فرمایا کہ ہم اسے خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیں یا صرف ثواب کے لیے، بغیر سمجھے پڑھتے رہیں۔ قرآن پاک دراصل پوری انسانیت کے لیے ہدایت کی کتاب اور علم کا سمندر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں بار بار فرماتا ہے کہ "کیا تم غور نہیں کرتے؟"۔ جب ہم قرآن کو ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سائنس، اخلاقیات، تاریخ اور زندگی جینے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ جب ایک بچہ یہ دیکھتا ہے کہ جو باتیں جدید سائنس آج ہزاروں تجربات کے بعد ثابت کر رہی ہے، وہ صدیوں پہلے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضور ﷺ کی زبان مبارک پر جاری کر دی تھیں تو اس کے دل میں یہ بات پکی ہو جاتی ہے کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ سچے اور ایک اللہ کا کلام ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مسلمان سائنس دانوں جیسے ابن الہیثم اور البیرونی نے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھا اور کائنات کے راز تلاش کیے۔ قرآن ہمیں اندھی تقلید سے روکتا ہے اور کائنات کو مسخر کرنے کا سبق دیتا ہے۔ قرآن پاک زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ سچ بولنا، والدین کا احترام کرنا، علم حاصل کرنا اور کائنات پر تحقیق کرنا کتنا ضروری ہے۔ اسی لیے ہمیں چاہیے کہ ہم روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے ترجمے اور مفہوم کو بھی سمجھیں، تاکہ ہم نہ صرف ایک اچھے طالب علم بن سکیں بلکہ ایک بہترین اور باشعور مسلمان بھی بن سکیں۔ ❁❁❁

دعائے مغفرت
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

☆ حلقہ فیصل آباد کے منفرد اسرہ شاہ کوٹ کے بزرگ رفیق محترم غلام سرور وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0300-4905433

☆ حلقہ پنجاب شمالی، راولپنڈی کے رفیق محترم صفدر حسین ستی کے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0343-5477684

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا وَارْحَمْهُمَا وَاَدْخِلْهُمَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمَا حِسَابًا يَّسِيْرًا

حقوقِ زوجین قرآن وسنّت کی روشنی میں

راحت بشیر

اسلامی تعلیمات کے مطابق حقوق زوجین (میاں بیوی کے حقوق) ایک خوشگوار اور مستحکم ازدواجی زندگی کی بنیاد ہیں۔ شریعت نے دونوں پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق کا متوازن تعین کیا ہے۔ اور یہی عدل کہلاتا ہے، جو اسلام کی اولین ترجیح وتعلیم ہے۔ اسلام اعتدال کا مذہب ہے، عدل و انصاف اور حقوق کی عادلانہ تقسیم اس کا وصف خاص ہے۔

مرد و زن کے حقوق کے بارے میں بھی اس دین متین نے راہ اعتدال کو اختیار کیا ہے اور اپنے اس وصف خاص کے سبب دین اسلام دنیا کے تمام تر دیگر ادیان کے سبب ممتاز ہے۔ حقوق زوجین یعنی میاں بیوی کے حقوق سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جو مرد وزن پر ان کے ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کے بعد شرعی واخلاقی طور پر عاید ہوتی ہیں۔

جس طرح اسلام نے مرد کے حقوق بیان کیے ہیں، اُسی طرح عورتوں کے حقوق کا تعین بھی فرمایا ہے اور یہی اعتدال، عدل کہلاتا ہے، جو اسلام کی اولین ترجیح وتعلیم ہے۔

معاشرے کے ارتقاء، باہم محبت ورواداری، ایک دوسرے کے مابین مفاہمت واعتماد کی فضا قائم رکھنے میں حقوق کی عادلانہ تقسیم اور اس پر عملاً قائم رہنا ایک مستحکم اور مضبوط گھرانے کی بنیاد ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے عورتوں کے بارے میں مردوں کو نصیحت فرمائی:

''عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت اختیار کرو، کیوں کہ عورتیں تمہارے ماتحت ہیں، تم اس کے سوا کسی اور شے کے مالک نہیں۔'' (ابن ماجہ)

اسی طرح جہاں مردوں کو ازدواجی تعلقات مستحکم اور مضبوط رکھنے کے لیے یہ وصیت ونصیحت فرمائی، وہیں عورتوں کو بھی اسلامی حدود کا پابند کیا اور دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے انہیں مردوں کی امانتوں کا امین بنایا اور فرمایا: ''وہ خیانت کا ارتکاب نہ کریں۔''

مرد وزن کے حقوق کا تعین قرآن کریم نے ازدواجی زندگی کی استواری اور اس بندھن کو جس میں شرعی طور پر ان کو گرہ لگا کر رکھا گیا ہے، اس کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے فرمایا: ''تاکہ ان کی رعایت سے معاشرتی نظم برقرار رہے۔'' گویا معاشرت، میاں بیوی کے مابین حقوق کی عادلانہ تقسیم اور ان کے مابین خوش گوار تعلقات کا نام ہے۔

جب باہم قلبی و ذہنی ہم آہنگی ہوگی تو اچھا اور عمدہ معاشرہ تشکیل پائے گا، کیوں کہ معاشرہ، معاشرت سے عبارت ہے۔ مرد کے حقوق سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جن کا بجالانا، انہیں پورا کرنا عورت کے لیے لازم و ضروری ہے اور بیوی کے حقوق سے مراد وہ امور لازم وشرعی ہیں جن کا ملحوظ رکھنا مرد کے لیے لازم وضروری ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں انہیں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقوق شرعی طور پر ایک دوسرے کے لیے ادائیگی فرائض کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیوں کہ شرعاً واخلاقاً وہ اُن احکام پر عمل کے پابند ہیں، جو شریعت نے ایک دوسرے کے حق میں انہیں عطا کیے ہیں۔

شوہر کی اطاعت عورت پر قرآن وسنّت کے نصوص کے مطابق ہے اور مرد کے لیے عورت کی ذمہ داری پورا کرنا عملاً، قولاً وفعلاً نصائص وسنّت پر عمل کرنا ہے۔ قرآن کریم اُن عورتوں کی توصیف بایں الفاظ کرتا ہے جو اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی پر پورا اُترتی ہے۔ فرمان عالی شان ہے: ''جو عورتیں نیک ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کی عدم موجودی میں بہ حفاظت الٰہی (مال وآبرو) کی حفاظت کرتی ہیں۔'' (النساء)

اس حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں سے کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔'' (ترمذی) اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر عورت جو اس حال میں فوت ہو کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔'' (ترمذی)

عورت پر مرد کا یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودی میں اُس کی امانت کی حفاظت کرے جو اس کے پاس ہے، یعنی اس کے نسب، آبرو، عزت وعظمت، مال و دولت، راز و نیاز، بچوں کی پرورش اس میں شامل ہے۔ ان عورتوں کے بارے میں جو شوہروں کی فرماں بردار ہیں، قرآن کریم میں فرمان عالی شان ہے: ''وہی عورتیں نیک ہیں جو اپنے مردوں کے حکم پر، ان کے کہنے پر چلیں اور ان کی عدم موجودی میں ان کے مال وآبرو کی حفاظت کریں۔'' (النساء)

قرآن کریم نے اس لیے ''حفظ الغیب'' اور ''حفظ اللہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے جو کہ نہایت وسیع المعنی ہے۔ اسی طرح مردوں کے بارے میں حکم ہے کہ ان پر عورتوں کے حقوق لازم ہیں اور ان کے حقوق کیا ہے اس کی تشریح بھی بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے اسے تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

مثال کے طور پر معاشی، سماجی، تمدنی حقوق کے ساتھ گھر کی کفالت مرد کی ذمہ داری ہے، وہ عورت کو سماج سے کاٹ کر نہیں رکھ سکتا۔ اسے بھی معاشرتی وسماجی طور پر اپنے مقام کو منوانے کا حق حاصل ہے اور یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے ایسے مواقع فراہم کرے، جس سے فائدہ اُٹھا کر عورت حدود معاشرت میں اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے اور تعمیر تمدن وتہذیب میں اپنے حصے کا کام بہتر طور پر سرانجام دے سکے۔

اسلام خواتین کی ترقی وکامیابی پر کوئی قدغن نہیں لگاتا، بشرطیکہ وہ دائرہ اسلام اور حدود شرع میں ہو۔ عورت کے حقوق کے بارے میں یہ حدیث کریم بھی ہے۔ حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ اُنہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو خود کھائے تو وہ اُسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے منہ پر نہ مارے اور اُسے برا بھلا نہ کہے اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی نہ اختیار کرے۔'' (ابن ماجہ)

یہ فرمان عالی شان قطرے میں سمندر رکھتا ہے اور اس کا عامل ہر طرح سے خوش حال زندگی بسر کرسکتا ہے، بشرطیکہ وہ صدق دل سے اس فرمان پر عمل پیرا ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مومنوں میں کامل ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ حسن اخلاق والا ہو اور تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے۔'' (ابن ماجہ)

حسن اخلاق، حسن سلوک کے بعد سب سے بڑا حق عورت کو بعض شرائط کے ساتھ شوہر کے انتخاب میں عطا کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ معاملات اس نہج پر پہنچ جائیں کہ صلح کا کوئی راستہ باقی نہ رہے تو شرعی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کو خلع کا حق بھی حاصل ہے۔

تاہم اگر عورت گھر میں خود کو محبوس نہ سمجھے، گھر کو قید خانہ نہ جانے، گھریلو معاملات میں خود مختار اور باہمی مشاورت رکھتی ہو تو گھر کبھی نہیں بگڑے گا۔ اسلام نے عورت کو معاشی، سماجی اور تمدنی حقوق دے کر اس کی حیثیت کو مضبوط کر دیا ہے، تاکہ معاشرے میں اس کی بھی عزت و وقار رہے اور وہ لوگوں کی دست برد سے بھی محفوظ رہے۔

اسلام عورت کی آزادی پر قدغن نہیں لگاتا مگر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام میں عورت کی آزادی کا مطلب مغرب کی نام نہاد آزادی نسواں اور دیگر نسائی تحریکوں کی مادر پدر آزادی نہیں بلکہ اسلام کی عطا کردہ آزادی ان تمام خرافات سے پاک ہے۔ اس بے لگامی نے ہی مغرب سے خاندان کا تصور ختم کیا اور عورت کی عصمت کو برباد اور اس کی عزت کو تار تار کیا ہے۔ اسلام نے عورت کو ایسی آزادی سے مبرا و منزہ رکھا ہے اور اسے پاکیزہ تعلیم دیتا ہے جو کہ دین اسلام کا خاصہ ہے۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمد

رجوع الی القرآن کورس

ان شاء اللہ

انٹرویو: یکم ستمبر 2026ء

آغاز کلاسز: 2 ستمبر 2026ء

ایامِ تدریس: پیر تا جمعہ

اوقاتِ تدریس: صبح 8:15 تا 1:00

ائیر کنڈیشنڈ کلاسز

رجسٹریشن یکم رمضان سے شروع ہے۔

تعلیم: کم ازکم انٹرمیڈیٹ

عمر: کم ازکم 22 سال

دورانیہ: 10 ماہ

عرصہ 44 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

مضامین تدریس:

پارٹ 1 (سالِ اول)

برائے مرد وخواتین

- تجوید وناظرہ
- عربی گرامر (صرف ونحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ونحوی توضیحات)
- دورۂ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری وعملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعۂ حدیث واصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ 2 (سالِ دوم)

برائے مرد حضرات

- عربی زبان وادب
- اُصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اُصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اُصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی صرف مرد حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔ لہٰذا خواہشمند حضرات پہلے سے رجسٹریشن کروالیں۔

زیرِ انتظام: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز مرکزی انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) لاہور

بمقام: قرآن اکیڈمی 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور

مزید تفصیلات کیلئے:

email: irts@tanzeem.org

www.khuddamulquran.org

0316-1466611 042-35869501

روح کی حقیقی غذا؟

محمد خالد حمید

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ہے۔ اس کائنات میں انسان بھی اس کی پیدا کردہ مخلوق ہے۔ انسان ایک حقیر جرثومہ سے معرض وجود میں آیا ہے، اس جرثومہ میں بھی زندگی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے انسان کی شکل پاتا ہے۔ اس ارتقائی عمل کے دوران ہی اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اُس میں روح پھونکتا ہے۔ روح ایک اعلیٰ وارفع اور نہایت ہی لطیف شے تصور کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ومملوک ہے۔ روح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی کسی قسم کا علم عطا کیا ہی نہیں۔ کوئی ذی روح اس کا ادراک نہیں رکھتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس کے بارے میں تجسس میں نہ پڑو۔

اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی روحیں پیدا کی ہیں ایک طبعی روح اور دوسری ملکوتی روح۔ طبعی روح کو نفس بھی کہا جاتا ہے۔ طبعی روح انسان کے علاوہ تمام حیوانات وجاندار اور دیگر مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے۔ نفس انسان میں مادیت سے محبت اور سفلی پن پیدا کرتا ہے۔ اس کے طبعی تقاضوں کی تکمیل اسی ارضِ خاکی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس یعنی انسان کی مادی زندگی برقرار رکھنے کے لیے زمین پر ہوا، پانی، اناج، پھل، حیوانات، چرند پرند وغیرہ پیدا فرما دیے، تاکہ انسان اپنی دنیوی زندگی احسن طریقے سے گزار سکے۔

دوسری قسم ملکوتی روح ہے جسے مطلقاً روح بھی کہتے ہیں، جو صرف انسان میں ہی خصوصی طور پر رکھی گئی ہے۔ یہی ملکوتی روح انسان میں علو وارتقاء کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اس روح کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ یہ محبت وشفقت، جود وکرم، صدق وعدالت اور ذکر الٰہی وغیرہ سے آسودہ حال ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم خاکی میں جو ملکوتی روح پھونکی، اس کے دوام کے لیے بھی ایک مستقل بندوبست فرمایا ہوا ہے۔ یعنی روح کو تازگی اور دوام بخشنے کے لیے ہر وقت ذکر الٰہی کرتے رہنے کا حکم دیا ہے، جو ملکوتی روح کے لیے غذا کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ نہ صرف تر وتازہ رہتی ہے بلکہ قلب انسان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبث پیدا نہیں فرمایا۔ وہ ذات خالق عظیم ہی نہیں بلکہ حکیم وبصیر بھی ہے۔ وہ ہر مخلوق کے مصرف کے بارے میں بہت بہتر جانتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا ہے: ''میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لیے'' (الذاریات: 56) اور عبادت کے بارے میں واضح ہے کہ اس سے دلی سکون واطمینان حاصل ہوگا۔ گویا کہ یادِ الٰہی سے ہی انسان دلی وروحانی سکون پائے گا۔

انسان کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی ہمہ وقت رہبری وہدایت کے لیے اپنے پیغمبر ورسول مبعوث فرمائے جن پر مقدس کتب بھی نازل فرمائیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرائی، نفع ونقصان سے آگاہ کیا، نیکی بدی کے ثمرات سے روشناس کرایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم خاکی میں جو روح ملکوتی پھونکی وہ نہایت ہی لطیف شے ہے۔ لہٰذا اس کی غذائیت کے لیے کوئی لطیف شے ہی ہونی چاہیے۔ لہٰذا اس کے تغذیہ کے لیے فرمایا کہ ہر وقت اُس کا ذکر پاک کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک سے انسان کو جو حامل ملکوتی روح ہے تین فوائد حاصل ہوں گے:

1۔ انسان کی ملکوتی روح تر وتازہ رہے گی۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی (یعنی اللہ تعالیٰ خوش وراضی ہوگا)۔

3۔ انسان جنت جیسے عظیم انعام سے نوازا جائے گا۔

ان گزارشات کے برعکس کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں۔ موسیقی روح کی غذا ہے یا نہیں؟ یا موسیقی کے فوائد ونقصانات پر بات کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں موسیقی کے حوالے سے کیا احکامات دیے گئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب نے مجھ پر شراب، جوئے، طبلہ اور باجے کو حرام قرار دیا ہے۔'' (مسند احمد)

اسی طرح حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت کے لوگ جب چھ چیزوں کو حلال ٹھہرا لیں گے تو وہ تباہ وبرباد ہو جائیں گے (1) آپس میں لعن طعن (2) شراب (3) ریشم کا لباس (4) گانے بجانے والیاں (5) مردوں کی مردوں کے ساتھ اور (6) عورتوں کی عورتوں کے ساتھ بے حیائی (طبرانی)

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس چیز کو تباہی کا ذریعہ بتائیں، وہ انسان کی روحانی غذا کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ روح کو تازگی وتوانائی مہیا کرنے کے لیے (موسیقی کی غذا دینے کی بجائے) ذکر الٰہی سے تر وتازہ رکھا جائے۔

موسیقی سے انسان اور اُس کی روح کو سکون ملنا ایسا ہی ہے جیسے نشہ آور چیز یا دوا کھانے سے کچھ دیر کے لیے انسان کا دماغ ماؤف ہو کر سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ موسیقی سے ملنے والا کیف جسے انسان سکون سمجھ لیتا ہے ایک عارضی کیفیت ہے۔ درحقیقت موسیقی ذہنی خلفشار کا باعث بنتی ہے۔ موسیقی سے حاصل ہونے والے کیف سے اُس کی مضرت اور ضلالت حد درجہ زیادہ اور غالب ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کا قول ہے: ''موسیقی دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔ (بیہقی)

ایک دوسری روایت میں آپ ؓ ہی نے فرمایا: ''گانا بجانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی اگاتا ہے اور اللہ کا ذکر (دل میں) اس طرح ایمان پیدا کرتا ہے جیسے پانی ترکاری (سبزی) اگاتا ہے۔'' (مشکوۃ)

موسیقی روح پر وہی اثر رکھتی ہے جیسے شراب دماغ اور جسم پر کرتی ہے بلکہ سریلی آواز اور طبلے کی تھاپ

کا نشہ بنت العنب (انگوری شراب) کے نشے سے کہیں زیادہ مضر ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ ’’جو شخص بقصد و ارادہ موسیقی میں شرکت کرتا ہے، فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔‘‘

موسیقی زندیقوں کی ایجاد ہے۔ گانا بجانا فاسقوں کا عمل ہے، جو اسے عبادت کے ضمن میں بھی لیتے ہیں۔ موسیقی سے مسلمان قرآن سے دور ہو گیا، قرآن پاک کو چھوڑ کر مسلمان گمراہی کی عمیق گہرائیوں میں جا گرا ہے۔ موسیقی کا سننا، سنانا دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ظاہر ہوا تھا۔ اس وقت کے آئمہ دین نے اس پر سخت ناپسندیدگی اور ناراضی کا اظہار فرمایا تھا۔ فی زمانہ اس ضمن میں اکثر لوگ جو موسیقی کے فن میں ملوث ہیں رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں دف بجانے کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جبکہ دف بجانا موسیقی کے ضمن میں نہیں آتا۔ موسیقی میں ساز و سارنگی کا اضافہ بہت بعد میں کیا گیا تھا جس سے باقاعدہ طور پر موسیقی پیدا کی گئی۔ جس کی تائید میں کوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد یا رسول ﷺ کا قول پیش نہیں کیا جا سکا اور نہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دیگر علماء و فقہاء نے بھی گانے بجانے اور اس کے سننے کو سختی سے رد کیا ہے بلکہ اس عمل کو فاسقوں کا عمل قرار دیا ہے۔

موسیقی اسلام میں کبھی بھی رائج نہ تھی اور نہ ہی یہ ارکان اسلام میں شامل تھی، پھر یہ روح کی غذا کیونکر بنی۔ روح تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ پاک و لطیف شے ہے، موسیقی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے زبردستی روح کی غذا کے نام پر اسلام میں داخل کر دی گئی ہے۔ یہ مسلمانوں کے اخلاق کو نہ صرف تباہ و برباد کرنے کی منظم سازش ہے، بلکہ اسلام اور قرآن پاک سے متنفر کرتے ہوئے مسلمانوں کو فرقہ بندی کے ذریعے منتشر کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ آج مسلمان اپنے مذہب اسلام کی اقدار کو چھوڑ کر غیر اسلامی رسم و رواج میں پڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، فضل و کرم اور نعمتوں سے محروم ہوتا جا رہا ہے جو نہ صرف دنیا میں دستیاب ہیں بلکہ بعد از قیامت جنت میں بھی ملیں گی۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے تائب ہو جائے اور اللہ کی کتاب قرآن پاک اور رسول ﷺ کی سنت پر عمل کرے۔

موسیقی روح کے لیے تو نہیں ہاں نفس کے لیے فرحت بخش ہو سکتی ہے۔ اگر موسیقی کو روح کی غذا قرار دیا جا سکتا ہے تو کل کو شراب نوشی، افیون خوری اور زنا کاری کو بھی روح کی غذا کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ان تمام اعمال بد میں کیف و لطف کا سامان ہوتا ہے، اگرچہ سرور اور فرحت سطحی اور وقتی ہوتی ہیں۔ انسان صرف مادی جسم ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا دوسرا لازمی جزو لطیف شے ’’روح‘‘ بھی ہے۔ انسان کے فوت ہو جانے پر روح پرواز کر جاتی ہے اور جسم خاکی پیچھے رہ جاتا ہے، جس کو خاک ہی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

طبعی روح کے تقاضے اور ملکوتی روح کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں اور پھر دونوں تقاضوں کی تکمیل بھی الگ الگ طریقوں سے ہوتی ہے۔ جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی تقاضے پورے ہو جائیں تو انسان کو آسودگی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ ملکوتی روح کی غذا موسیقی ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اور صرف ذکر الٰہی ہے، جس سے یہ اطمینان و سکون حاصل کرتی ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں صاف ارشاد ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی (وہ غذا ہے جس) سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (ترجمانی الرعد: 28) اگر موسیقی روح ملکوتی کی غذا ہوتی تو اس سے صرف انسان ہی فرحت حاصل کرتے حیوانات اس سے کبھی متاثر نہ ہوتے۔ جبکہ حیوانات تو موسیقی سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جانوروں کا موسیقی سے متاثر ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موسیقی صرف روح حیوانی کو متاثر کرتی ہے، روح ملکوتی کو آسودگی نہیں پہنچا سکتی۔

جب انسان کسی چیز کی تخلیق کرتا ہے تو اس کو بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اس مشین کو رواں دواں رکھنے کے لیے کون سا ایندھن مفید رہے گا۔ اگر اس مشین میں مطلوبہ ایندھن کی جگہ دوسرا ایندھن ڈال دیا جائے تو وہ مشین کام ہی نہیں کرے گی بلکہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ نتیجتاً مالی نقصان بھی ہوگا اور وقت بھی ضائع ہوگا۔ لہٰذا عقل و خرد کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی روح کے لیے موسیقی کی غذا دینے کی بجائے اس کو ذکر الٰہی سے ہی تر و تازہ رکھے۔ اس سے روح بھی خوش و خرم رہے گی اور اللہ بھی راضی ہو گا، بلکہ روز قیامت آدمی کو جنت کے انعام و اکرام کے علاوہ اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا، جس کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہے اور نہ ہی کسی کو ہونا چاہیے۔

مختصراً یہ کہ موسیقی کو روح ملکوتی کی غذا کہنا ایک بدترین مغالطہ ہے جو کہ ہیئت انسانی سے ناواقفیت کی بڑی دلیل اور گمراہ کن ہے۔ موسیقی سے اشتغال کو جائز سمجھنا شیطان کی اتباع اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا انسان کو بالعموم اور مسلمان کو بالخصوص موسیقی سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ غفار، قہار، اور رحمٰن بھی ہے کے حضور سجدہ ریز ہو کر سچے دل سے توبہ حقیقی کر لی جائے اور اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اپنی بخشش کا سامان کر لے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موسیقی روح کی غذا قطعاً نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک ہی روح کی غذا ہے اور اتباع اسوۂ حسنہ رسول پاک ﷺ ہی نجات کی سند ہے۔

رفقاء متوجہ ہوں
ان شاء اللہ

’’قرآن اکیڈمی 25 آفیسرز کالونی، ملتان‘‘ میں (وسطی پاکستان کے تحت)

11 تا 13 ستمبر 2026ء (بروز جمعۃ المبارک نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

نقباء کورس

(نئے نقباء و متوقع نقباء (ملتزم) کے لیے)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0322-6187858 / 0321-6303691

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: 78-35473375(042)

ہرمز کا لیموں نچوڑ

خالد نجیب خان

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک صاحب بڑے اطمینان سے ایک مہنگے ریستوران میں تنہا بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک اجنبی اُن کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ سلام دعا اور حال احوال پوچھنے کے بعد اُس نے اپنی جیب سے ایک لیموں اور فولڈنگ چاقو نکالا۔ لیموں کاٹ کر اُس شخص کے کھانے پر نچوڑ دیا اور جس کا کھانا تھا اُس سے کہا: ”لیجیے کھائیے، کھانے کا مزہ تو لیموں کے ساتھ ہی ہے۔ کھائیے کھائیے اور ساتھ ہی کھانے میں شریک ہو گیا۔ جو صاحب کھانے کا آرڈر دینے کے بعد خاصی دیر تک انتظار میں رہے تھے کہ کب کھانا آئے اور وہ اپنا پیٹ بھریں، اپنے کھانے کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر تلملا کر ہی رہ گئے مگر انہوں نے کچھ کہنے کی بجائے اپنے غصے کو قابو کیا اور دانت پیستے ہوئے مصنوعی ہنسی کے ساتھ کہا: ”جی شکریہ“

اندر ہی اندر تلملاتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ عجیب بدتمیز آدمی ہے۔ کھانا میں نے منگوایا ہے اور میرے منگوائے کھانے میں نہ صرف بلا اجازت شریک ہو گیا ہے بلکہ مجھے ایسے دعوت دے رہا ہے جیسے بل اُس نے دیا ہو۔

لیموں نچوڑنے والا بھی خاصا گھاگ تھا، اُس نے وہ سب کچھ پڑھ لیا جو وہ سوچ رہا تھا۔ کہنے لگا، حضرت ناراض نہ ہوں، کھانا آپ کا اور لیموں میرا جس کے بغیر کھانے کا مزہ ہی نہیں بنتا تو اب ذائقے میں میرا حصہ بھی تو بنتا ہے ناں۔“

دوسروں کے کھانے میں بلا اجازت لیموں نچوڑ کر شریک ہو جانے والا ایک ہی شخص نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے کے علاوہ غیر ملکی معاشروں اور بین الاقوامی سیاست میں بھی ایسے بے شمار ”لیموں نچوڑ“ ہر روز سامنے آتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں صدر ٹرمپ نے آبنائے ہرمز کا نیا نقشہ جاری کرتے ہوئے اس پر امریکی ملکیت کا دعویٰ کیا ہے۔

آبنائے ہرمز پر امریکی ملکیت کے دعویٰ سے پہلے تو بعض لوگ یہ بھی سوال کرتے ہوئے ملے ہیں کہ آبنائے ہرمز پر صرف ایران کے ہی کنٹرول کو کیوں قانونی تصور کیا جاتا ہے جبکہ اُس علاقے میں تو ایران، عراق، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، بحرین اور عمان بھی موجود ہیں تو یہ ممالک خاموشی سے ایران کے دعویٰ ہائے قانونی ملکیت کا منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیتے۔

حقیقت یہ ہے یہ سوال جتنا سادہ اور معصومانہ ہے اس کا جواب بہت تکنیکی ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اس خطے کا جغرافیہ سمجھنا پڑے گا۔ آبنائے ہرمز ایران اور عمان کے درمیان واقع ہے، نہ کہ صرف ایران کے درمیان۔ اس آبنائے کے شمال میں ایران اور جنوب میں عمان کا مسندم جزیرہ نما ہے۔ اس لیے آبنائے کے ساحلی ممالک دراصل ایران اور عمان ہی ہیں۔ عمان نے بھی سرکاری طور پر ایران کے ساتھ مشترکہ بیان میں خود کو آبنائے ہرمز کی کوسٹل سٹیٹ قرار دیا ہے اور اپنے علاقائی پانیوں پر خودمختاری کے حقوق کا ذکر کیا ہے۔ دوسری طرف سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور عراق خلیج فارس کے ساحلی ممالک ضرور ہیں، مگر ان میں سے کئی تو آبنائے ہرمز کے ساحل پر واقع ہی نہیں ہیں۔

دراصل خلیج فارس ایک بہت بڑا سمندری خطہ ہے، جس میں ایران کے علاوہ عراق، کویت، سعودی عرب، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور عمان کے ساحلی علاقے آتے ہیں جبکہ آبنائے ہرمز اس خلیج سے نکلنے کا دروازہ ہے۔ گویا خلیج فارس سے نکل کر آبنائے ہرمز پہنچیں وہاں سے، خلیج عمان اور پھر وہاں سے، بحیرۂ عرب اور اس کے بعد بحر ہند میں پہنچتے ہیں۔

سعودی عرب کی سمندری حدود خلیج فارس تک پہنچتی تو ہیں، لیکن وہ آبنائے ہرمز کے دونوں طرف کے ساحل کا مالک نہیں۔ اسی طرح متحدہ عرب امارات کا ساحل آبنائے کے مغربی سرے کے قریب آتا ہے، لیکن خود آبنائے کے اہم مشرقی حصے کے ساحل ایران اور عمان کے پاس ہی ہیں۔ لیکن یہاں ایک دلچسپ قانونی پیچیدگی ہے۔ آبنائے ہرمز اس قدر تنگ ہے کہ اس کے بیشتر حصے میں ایران اور عمان کے 12 بحری میل کے علاقائی پانی ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ اس لیے درمیان میں کوئی ایسا وسیع ”بین الاقوامی پانی“ موجود نہیں جس پر کسی ریاست کی علاقائی خودمختاری نہ ہو۔ موجودہ جہاز رانی کے راستے ایران اور عمان کے علاقائی پانیوں سے گزرتے ہیں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ایران یا عمان اپنی مرضی سے جب چاہیں عالمی جہاز رانی بند کر دیں۔

آبنائے ہرمز کو بین الاقوامی جہاز رانی کے لیے استعمال ہونے والی آبنائے تصور کیا جاتا ہے، اور یہاں ٹرانزٹ پیج کا اصول بہت اہم ہے۔ بین الاقوامی سمندری قانون کے مطابق ایسی آبناؤں میں تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کو بلا جواز روکنا ایک الگ مسئلہ ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بین الاقوامی قانون اگر اس طرح سے ہے تو پھر ایران کو اتنی طاقت کیوں حاصل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایران کے پاس آبنائے کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ متعدد جزائر بھی ہیں، مثلاً: قشم، ہرمز، لارک وغیرہ جن کی وجہ سے ایران کی سمندری حدود مزید دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آبنائے کے شمالی حصے میں ایران کی ساحلی پوزیشن ایسی ہے کہ وہ جہازوں کی نقل و حرکت کو عملی طور پر متاثر کر سکتا ہے۔ اسی لیے ایران کا اصل ”استحقاق“ قانونی ملکیت سے زیادہ جغرافیائی اور عسکری ہے۔

رائٹرز کے مطابق ایران اس وقت آبنائے کے اندر آنے والے جہازوں پر زیادہ کنٹرول اور باہر جانے والی ٹریفک پر نگرانی چاہتا ہے، جبکہ عمان کے ساتھ اس معاملے پر اس کا شدید اختلاف موجود ہے۔ ان حالات میں عمان کو نظر انداز ہرگز نہیں کیا جا سکتا مگر ایسا کیا جا رہا ہے۔ آبنائے کے جنوبی حصے میں عمان کا علاقہ مسندم بڑی اہم پوزیشن کا حامل ہے۔ بلکہ آبنائے کے اندر بین الاقوامی جہازوں کے لیے استعمال ہونے والی بعض لازمی شپنگ لینز عمانی علاقائی پانیوں میں واقع ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ ”آبنائے ہرمز صرف ایران کا ہے“ قانونی طور پر درست نہیں ہے بلکہ یہ بات زیادہ درست ہے کہ آبنائے ہرمز ایران اور عمان کے علاقائی پانیوں میں منقسم ہے، جبکہ اس سے گزرنے والی بین الاقوامی جہاز رانی کو بین الاقوامی سمندری قانون کا نظام تحفظ دیتا ہے۔

ان حالات میں عراق، سعودی عرب، قطر، بحرین، کویت اور متحدہ عرب امارات کا اس پر کیا حق ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ یہ ممالک آبنائے ہرمز کے مالک نہیں ہیں مگر آبنائے کی بندش کی صورت میں ان پر پڑنے والے اثرات بہت بڑے بلکہ گہرے ہیں۔ مثلاً سعودی

عرب اور متحدہ عرب امارات اپنا تیل خلیج فارس کی بندرگاہوں سے ہی باہر بھیجتے ہیں۔ ہرمز بند ہونے کی صورت میں ان کی برآمدات شدید متاثر ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت اور بحرین کا آبنائے میں ''مملکتی حق'' نہ ہونے کے باوجود اس کے کھلے رہنے میں ہی فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ بحران میں خلیجی ریاستیں ایران کے ساتھ آبنائے کے انتظام کے کسی علاقائی فارمولے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ گزشتہ ماہ عمان نے ایران کو ایک علاقائی انتظام کا منصوبہ بھی پیش کیا تھا جسے دیگر خلیجی ریاستوں کی بھی حمایت حاصل تھی، مگر ایران نے اُسے مسترد کر دیا۔

تمام تر بحث کا نتیجہ یہی ہے کہ خلیج فارس کے تمام ساحلی ممالک کا خلیج فارس میں اپنے اپنے علاقائی پانیوں پر حق ہے؛ لیکن آبنائے ہرمز کے براہِ راست ساحلی ممالک صرف ایران اور عمان ہی ہیں اور انہی دو ممالک کا اس پر حق ہے۔ امریکہ کا اس پر دعویٰ صرف اسی صورت میں تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اگر بین الاقوامی قوانین میں ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کا قانون بھی شامل کر لیا جائے۔

امریکہ کا New U.S Territory کہنا صرف ایران کے دعوے کو چیلنج نہیں کرتا بلکہ عمان کی خودمختاری کو بھی نظرانداز کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ دنوں میزائلوں کی کمی کی وجہ سے امریکہ محض زبانی کلامی جنگ کر رہا تھا، اب تک اُس نے خاصا وقت حاصل کر لیا ہے اور تازہ دم بھی ہو چکا ہے اگر وہ عمان کو اعتماد میں لے کر نئے سرے سے میدان بلکہ صحیح لفظوں میں سمندر میں اُترتا ہے تو ایران کو خاصا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ ان حالات میں عمان اگر دو بلیوں کی کیک پر لڑائی میں بندر کے کردار سے واقف ہے تو اُسے امریکہ کو اعتماد کی بجائے صاف جواب دینا چاہیے اور لیموں نچوڑ کو اٹھا کر ریسٹورنٹ سے باہر پھینک دینا چاہیے۔

❀❀❀

نبیِ الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم

رحمٰن کیانی

لوگو سنو! جنابِ رسالت مآبؐ میں　　شانِ رسولؐ صاحبِ سیف و کتاب میں
ماحی لقب نبیؐ ملاحمؐ کے باب میں　　کرتا ہوں فکرِ مدح تو جوشِ خطاب میں

مصرع زباں پہ آتا ہے زورِ کلام سے
تلوار کی طرح سے نکل کر نیام سے

نعتِ رسولؐ کا یہ طریقہ عجب نہیں　　سمجھیں عوام داخلِ حدِ ادب نہیں
لیکن یہ طرزِ خاص مرا بے سبب نہیں　　شیوہ سپاہیوں کا نوائے طرب نہیں

راگ ہزار ڈھنگ ہوں ذکرِ حبیبؐ سے
شاہیں سے مانگئے نہ چلن عندلیب کے

مانا حبیبؐ خالقِ اکبر رسولؐ کو　　خیر الوریٰ و شافعِ محشر رسولؐ کو
عین النعیمؐ، ساقیٔ کوثرؐ رسول کو　　شمع و چراغِ مسجد و منبر رسولؐ کو

لیکن جو ذات مدحِ بشر سے بلند ہے
ہم سے یہ پوچھئے کہ ہمیں کیوں پسند ہے

جب بھی سپاہیوں سے پیمبرؐ کو پوچھئے　　خندقؐ کا ذکر کیجئے خیبرؐ کو پوچھئے
بدرؐ و احدؐ کے قائدِ لشکر کو پوچھئے　　یا غزوۂ تبوک کے سرورؐ کو پوچھئے

ہم کو حنینؐ و مکہؐ و موتہؐ بھی یاد ہیں
ہم امتیِ بانیؐ رسمِ جہاد ہیں

رسمِ جہادِ حق کی اقامت کے واسطے　　کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
خیر و فلاح و امن و عدالت کے واسطے　　خیر الممات مرگِ شہادت کے واسطے

لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم جھوم جھوم کر
پیتے ہیں جامِ مرگ کو بھی چوم چوم کر

لاکھوں درود ایسے پیمبرؐ کے نام پر　　جو حرفِ لاتخف سے بناتا ہوا نڈر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر　　یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سر اگر

ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لیے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم

توپ و تفنگ و دشنہ و خنجرؐ صلیب و دار　　ڈرتے نہیں کسی سے محمدؐ کے جاں نثار
ماں ہے ہماری اُمِ عمارہؓ سی ذی وقار　　ہم ہیں ابو دجانہؓ و طلحہؓ کی یادگار

ہاں مفتی و فقیہ نہیںؐ مان لیتے ہیں
ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر مگر جان دیتے ہیں

ایسے یقیں نہ آئے تو پیرانِ خانقاہ　　با خرقہ و کلاہ و مریدانِ بارگاہ
اک دن ہمارے ساتھ چلو سوئے رزم گاہ　　تم کو دکھائیں طرفہ تماشا خدا گواہ

دیتے ہیں کیسے جانؐ کٹاتے ہیں کیسے سر
پڑھتے ہوئے درودؐ محمدؐ کے نام پر

چمکدار صفائی
گہرائی تک اثر
شاندار صفائی، اُجلی دھلائی
کم مقدار، زیادہ صفائی
منفرد اور دیرپا خوشبو
رنگوں کی حفاظت
کپڑوں کی حفاظت
جلد کی حفاظت
KLINIT
Multi Action
Power Magic
Detergent Powder
1kg
DELIVERY
ALL OVER
PAKISTAN
میرا با اعتماد
انتخاب
شاندار صفائی
کم پیسے، زیادہ دھلائی
بھرپور جھاگ، داغوں کا صفایا
مہکتی خوشبو
Whiff
Detergent Powder
Cleans + Disinfects
Let your Clothes Smile!
1kg
JR Industries:
Shah House, Plot # A89-91, Dhani Bux,
Sector 51-A, Scheme 33, Karachi Pakistan
For Online Order
0304 706 1265
jri.com.pk

Vol: 35 Regd. No. C.P.L NO.114 No.32

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore